ماہنامہ محدث بنارس

سرپرست
عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر
مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر
مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی — مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۳۱
جلد: ۲۹ ، شمارہ: ۷
شعبان المعظم ۱۴۳۲ھ
جولائی ۲۰۱۱ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: 150 روپے
- بیرون ممالک: 40 ڈالر
- فی شمارہ: 15 روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱ جی، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱-درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲-درس حدیث	مولانا عبدالمتین مدنی	۴
۳-افتتاحیہ	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۶
۴-جامع البیان من تاویل آي القرآن	مولانا محمد اعظمی	۹
۵-اہل بیت صحابہ سے متعلق.....	مولانا عبدالوہاب حجازی	۱۵
۶-دارالحدیث رحمانیہ دہلی.....	مولانا اسعد اعظمی	۱۸
۷-جنازہ کے احکام ومسائل	شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ	۲۳
۸-شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ.....	مولانا محمد مستقیم سلفی	۲۸
۹-ماہ رمضان، احتساب کا مہینہ	عبدالغفار سلفی	۳۱
۱۰-عقیقہ کے احکام	عبدالاحد احسن جمیل	۳۳
۱۱-اہل اسلام اور قبلۂ اول کے خلاف..	صہیب حسن فضل حق	۴۰
۱۲-اخبار جامعہ	ادارہ	۴۶
۱۳-باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۷

نوٹ : ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

آخرت کی زندگی درجہ بندی اور فضیلت میں دنیا سے بڑھ کر ہے

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿مَن كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ عَجَّلْنَا لَهُ فِيْهَا مَا نَشَاءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ ثُمَّ جَعَلْنَا لَهُ جَهَنَّمَ يَصْلاهَا مَذْمُوماً مَّدْحُوراً، وَمَنْ أَرَادَ الآخِرَةَ وَسَعَى لَهَا سَعْيَهَا وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ كَانَ سَعْيُهُم مَّشْكُوراً، كُلاًّ نُّمِدُّ هَـؤُلاء وَهَـؤُلاء مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُوراً، انظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَلَلآخِرَةُ أَكْبَرُ دَرَجَاتٍ وَأَكْبَرُ تَفْضِيْلاً﴾. (سورہ اسراء:۱۸-۲۱)

جو شخص دنیا چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا ہی میں جس کو جتنا چاہتے ہیں دے دیتے ہیں، پھر ایسے شخص کے لیے ہم جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ مذموم ودھتکارا ہوا داخل ہوگا، اور جو شخص آخرت کو چاہتا ہے اور اس کے (حصول کے لیے) کوشش بھی کرتا ہو اس حال میں کہ وہ مومن بھی ہو تو یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کی کوشش اور محنت کی قدر دانی ہوگی۔

(اے محمد) ان دونوں میں سے ہر ایک کو آپ کے پروردگار کی بخشش ہم بہم پہنچاتے ہیں، اور آپ کے پروردگار کی بخشش رکی ہوئی (ممنوع) نہیں ہے، غور فرمائیے کہ ہم نے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے، اور آخرت کی زندگی تو درجہ بندی میں اور بھی بڑھ کر ہے اور فضیلت کے اعتبار سے بھی بہت بڑی ہے۔

اس دنیا میں انسان دو طرح کے پائے جاتے ہیں، ایک وہ ہے جس کے سامنے صرف یہی دنیا ہے جو یہاں کی عیش وعشرت وآرام کے لیے لگا رہتا ہے، اس کو دوسری دنیا یعنی آخرت کی نہ تو فکر ہوتی ہے اور نہ ہی اس کے بارے میں سوچتا ہے، دوسرا وہ ہے جو اس دنیا میں زندگی گذارتے ہوئے دوسری دنیا یعنی آخرت کی زندگی میں آرام وکامیابی کے بارے میں بھی سوچتا ہے اور وہاں کا آرام وکامیابی کیسے ملے اس کے لیے کوشش بھی کرتا ہے۔

اللہ رب العالمین فرماتے ہیں کہ ہم دونوں طرح کے بندوں کو اپنی نعمتوں سے نوازتے ہیں اور ہماری نعمت کو کوئی روک نہیں سکتا، اگر کوئی چاہے کہ فلاں شخص کا عمل بہت خراب ہے اور صرف دنیا کی زندگی ہی اس کا مقصد ہے، اس کو اللہ کی نعمت نہ ملے تو اس کے چاہنے سے کچھ ہونے والا نہیں ہے، اللہ جس کو دینا چاہے اور جتنا دینا چاہے عنایت فرماتا ہے۔ یہ اللہ کی حکمت ہے جس کو وہی جانتا ہے۔

دنیا میں انسان مختلف قسم اور معیار کے پائے جاتے ہیں، امیر وغریب، اچھے وبرے، جاہل وعالم، شریف وبدمعاش، حاکم ورعایا، مالک ومملوک وغیرہ وغیرہ، اللہ تعالی نے فرمایا کہ آخرت میں درجہ بندی اس سے زیادہ ہوگی اور فضیلت وبرتری کے لحاظ سے بھی مختلف درجات ہوں گے، جہاں فرق اس سے بڑا ہوگا۔

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِيْ الدَّرْكِ الأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ (سورہ نساء:۱۴۵) کہ منافقین جہنم کے سب سے نچلے طبقہ میں رکھے جائیں گے۔

اور ایک جگہ فرمایا: ﴿وَمَنْ يَأْتِهِ مُؤْمِناً قَدْ عَمِلَ الصَّالِحَاتِ فَأُوْلَئِكَ لَهُمُ الدَّرَجَاتُ الْعُلَى﴾ (سورہ طہ:۷۵) جو (بروز قیامت) مومن اٹھایا جائے گا (یعنی جس نے آخری وقت تک دنیا میں ایمان کی زندگی گذاری ہوگی) اور ساتھ ہی نیک اعمال کئے ہوں گے ایسے لوگوں کے لیے بلند درجات ہوں گے۔

انسان کے عمل کے مطابق اس کو مختلف درجوں میں رکھا جائے گا، وہاں ناانصافی نام کی کوئی چیز نہیں ہوگی، انسان کے عمل کے درجہ بندی کے لیے میزان اور ترازو ہوں گے، اور اللہ رب العالمین سب کا حساب کرے گا، وہ ذات اقدس علیم وخبیر ہے، اور ہمارے دلوں کے وسوسے اور اچھے وبرے ارادے کو بھی جانتا ہے، اس کا فرمان ہے: ﴿وَإِن كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَى بِنَا حَاسِبِيْنَ﴾ (سورہ انبیاء:۴۷) کہ (انسان کے عمل کا کوئی حصہ) رائی کے دانہ کے برابر بھی ہوگا تو ہم اس کو اس میزان پر لا رکھیں گے اور میں (تنہا) حساب لینے کے لیے کافی ہوں۔

اللہ تعالی نے دو طرح کے لوگوں کا ذکر فرمایا اور ان کے انجام سے بھی باخبر کر دیا ہے، جو لوگ آخرت کی زندگی سے بے خبر ہو کر صرف دنیا میں ہی عیش وآرام اور دولت چاہتے ہیں ان کے لیے فرمایا کہ ہم نے ایسے لوگوں کے لیے جہنم مقرر کر رکھا ہے اور جو لوگ اس دنیا میں زندگی گذارتے ہوئے آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے حصول کے لیے کام کرتے ہیں، تین چیزیں ہیں یعنی (۱) آخرت کا حصول (۲) اس کے لیے کوشش (۳) اور آخرت پر ایمان۔ یعنی اللہ رب العالمین اور اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر ایمان وعمل کامیابی کے حصول کے لیے شرط ہے تو ایسے لوگوں کی قدردانی ہوگی اور ان کو بلند درجات نصیب ہوں گے۔

جیسا کہ ایک جگہ فرمایا: ﴿مَن كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْآخِرَةِ نَزِدْ لَهُ فِيْ حَرْثِهِ وَمَن كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِيْ الْآخِرَةِ مِن نَّصِيْبٍ﴾ (سورہ شوری:۲۰) جو شخص آخرت کی کھیتی چاہتا ہے (کہ اس کا پھل کاٹے) تو اس کی کھیتی میں ہم ترقی دیں گے اور جو شخص دنیا کی کھیتی چاہتا ہے (کہ اس کا پھل دنیا میں ہی کاٹے) تو ہم اس کھیتی سے اس کو عطا کر دیتے ہیں مگر ایسے (دنیا کی کھیتی چاہنے والے) شخص کو آخرت میں کچھ بھی نہیں ملے گا۔

صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق اللہ کے رسول ﷺ نے بروز قیامت سب سے پہلے تین ایسے شخص کے حساب میں پیش کئے جانے کی خبر دی ہے جو ایک مجاہد، ایک عالم اور ایک مالدار ہوگا جن کا مقصد دنیا میں ہی نمائش رہی ہوگی اور دنیا طلبی کے لیے کام کیا ہوگا ایسے تینوں اعلی مقام کے حامل لوگوں کو جہنم میں اس لیے ڈال دیا جائے گا کہ ان لوگوں نے دنیا میں ہی شہرت حاصل کرنے کے لیے کام کیا ہوگا۔

اللہ رب العالمین سے دعا ہے کہ ہمیں قرآنی آیات پر غور وفکر کرنے اور اپنی زندگی کے مقصد کو بہتر بنانے کی توفیق عطا فرمائے اور آخرت میں اعلی درجات کا مستحق بنائے، آمین۔

☆☆

درس حدیث

بدنصیب ہیں وہ جو رب کریم کی بخشش سے محروم ہیں

مولانا عبدالمتین مدنی

عن أبي موسى الأشعرى عن رسول الله ﷺ قال إِنَّ اللّٰه لَيَطَّلِعُ فِي لَيْلَةِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَيَغْفِرُ لِجَمِيْعِ خَلْقِهِ إِلَّا لِمُشْرِكٍ أَوْ مُشَاحِنٍ۔](سنن ابن ماجہ ح:۱۳۹۰)

ترجمہ: حضرت ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ اللہ کے رسول ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: بیشک اللہ تعالی شعبان کی پندرہویں رات کو (بنظر رحمت) دیکھتا ہے پھر مشرک اور کینہ پرور کے سوا باقی ساری مخلوق کو بخش دیتا ہے۔

یہ حدیث مسند امام احمد میں حضرت عبداللہ بن عمرو سے مرفوعا مذکور ہے، جس میں مشرک کے بجائے قاتل نفس (خودکشی کرنے والا) کا ذکر ہے۔ (۲/۱۷۲)

اس حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ نے شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے، اس حدیث کی سند کو محدث عصر علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح قرار دیا ہے، چنانچہ اس کے مختلف طرق ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں: "وجملة القول ان الحديث بمجموع هذه الطرق صحيح بلا ريب، والصحة تثبت بأقل هذا العدد، ما دامت سالمة من الضعف الشديد كما هو الشان في هذا الحديث، فما نقله الشيخ القاسمي رحمه الله تعالى في اصلاح المساجد (ص١٠٦) عن أهل الجرح والتعديل انه ليس فى فضله ليلة النصف من شعبان حديث صحيح، فليس مما ينبغي الاعتماد عليه"۔ خلاصہ یہ کہ یہ حدیث ان تمام طرق کے ساتھ بلا شک صحیح ہے، اور حدیث کی صحت تو اس سے کم تعداد سے بھی ثابت ہوجاتی ہے، جب اس کے طرق شدید ضعف سے خالی ہوں، جیسا کہ اس حدیث کا حال ہے تو شیخ القاسمی رحمہ اللہ کا اپنی کتاب اصلاح المساجد (ص ۱۰۷) میں جرح وتعدیل کے علماء کے حوالہ یہ تحریر فرمانا کہ شعبان کی پندرہویں رات کی فضیلت میں کوئی حدیث وارد نہیں ہے، یہ بات قابل اعتماد نہیں۔ (السلسلۃ الصحیحۃ للالبانی:۱۱۴۴)

اس حدیث کے علاوہ پندرہویں شعبان کی رات - جسے عوام شب برأت کے نام سے موسوم کرتے ہیں - کی فضیلت وعبادت سے متعلق جتنی حدیثیں وارد ہیں وہ سب ضعیف یا موضوع ہیں اور اللہ کے رسول ﷺ کی شریعت ان تمام رسوم ورواج سے پاک ہے، جسے اس رات انجام دیا جاتا ہے، ہاں یہ رات اگرچہ فضیلت ومغفرت والی ہے مگر احادیث اور سیرت کی کتابوں کے مطالعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس رات میں خصوصی طور پر کسی عبادت کا اہتمام نہیں کیا اور نہ صحابہ کرام نے اس رات عبادتوں کا کوئی اہتمام کیا، اس لیے اس رات میں بطور خاص کسی عبادت کے اہتمام کرنے کی کوئی دلیل

کتاب وسنت سے نہیں ملتی۔، ہاں اگر کوئی تہجد گذار ہے تو اس رات بھی اپنے معمول کے مطابق عمل کرے گا جیسا کہ اللہ کے رسول اور صحابہ کرام کا معمول تھا۔

ایک غور طلب بات یہ ہے کہ پندرہویں شعبان کی رات کی جو فضیلت بیان کی گئی ہیکہ اللہ کی مغفرت اس کے بندوں کے لیے عام ہوتی ہے، باستثناء مشرک وکینہ پرور تو یہ فضیلت ہر سوموار اور جمعرات کے بارے میں بھی ہے، نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: "تفتح أبواب الجنة يوم الاثنين ويوم الخميس فيغفر لكل عبد لا يشرك بالله شيئا الا رجلا كانت بينه وبين أخيه شحناء فيقال انظروا هذين حتى يصطلحا، انظروا هذين حتى يصطلحا، انظروا هذين حتى يصطلحا" (مسلم: ۲۵۶۵) ہر سوموار اور جمعرات کو جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں پھر ہر اس آدمی کی مغفرت کردی جاتی ہے جو اللہ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو، سوائے اس آدمی کے جو اپنے بھائی کے ساتھ بغض وعداوت رکھتا ہو، چنانچہ ان دونوں کے بارے میں تین مرتبہ اللہ فرماتا ہے کہ ان کو مہلت دو یہاں تک کہ یہ صلح کرلیں۔

اس فضیلت کے باوجود ہر سوموار اور جمعرات کو بطور خاص منانے کی کوئی مثال اس امت میں نہیں ملتی تو پھر اسی فضیلت کی بنیاد پر شعبان کی پندرہویں شب کو مخصوص عبادتوں کے لیے کیوں خاص کرلیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں سے شرک میں ملوث انسان خواہ وہ کلمہ گو ہی کیوں نہ ہو اور اپنے بھائی سے بغض وکینہ رکھنے والا دونوں کے انجام کو بیان کردیا گیا کہ وہ جب تک اپنے اس روش پر قائم رہیں گے تب تک اللہ کی مغفرت سے محرومی ان کا مقدر بنی رہے گی۔ آج اس امت میں شرک کتنی صورتوں میں موجود ہے مزار پرستی، تعویذ وگنڈے، غیر اللہ کے نام پر ذبیحے اور دعوتیں، تو ہم پرستی، کیا مسلمان مغفرت پانے کے لیے ان شرکیہ اعمال اور شیطان کی بندگی کو نہیں چھوڑیں گے؟ اسی طرح آج مسلم معاشرہ میں عموما آپسی تعلقات کی ناہمواری ہے، لوگ ہاتھ تو ملا لیتے ہیں اور گلے بھی مل لیتے ہیں لیکن دل سے دل کو راہ نہیں، حسد، حقد اور کینہ اس راہ کے روڑے ہیں، کیسے ہم اپنے رب کی بخشش کے حقدار بنیں گے؟ اب رمضان المبارک کی آمد ہے، پورا مہینہ مغفرت کے مواقع سے لبریز ہے، اگر ہم نے اپنی اصلاح نہیں کی، شرک اور عداوت وکینہ کی روش نہ چھوڑی تو یہ مواقع ہماری مغفرت کا سامان نہیں بنیں گے اور یہ مہینہ کیسے ہمارے لیے بابرکت ثابت ہوگا؟

بارالہا تو رمضان المبارک کو تمام مسلمانان عالم کے لیے رحمت وبرکت اور مغفرت کا ذریعہ بنادے۔

اللهم أهله علينا بالأمن والايمان والسلامة والاسلام ربي وربك الله.

☆☆☆

افتتاحیہ

ہندوستانی میڈیا کی مخصوص ذہنیت

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

معیاری صحافت کے چار بنیادی عناصر ہیں : (۱) مزاج اور ذہن کا سیکولر ہونا (۲) ایمان داری (۳) صداقت (۴) زبان پر مکمل گرفت۔

صحافی ان چاروں عناصر یا اصولوں کو حرز جان بنالے تو یقیناً وہ ملک، قوم اور سماج کے لیے ایسی خدمات انجام دے گا، جسے دنیا یاد رکھے گی۔ صحافت کے شعبوں میں ان اصولوں کی طرف رہنمائی کی جاتی ہوگی، اس کی عملی مشق بھی کرائی جاتی ہوگی، لیکن ہندوستانی میڈیا میں ان اصولوں کا سراغ بھی نہیں ملتا ہے، سیکولر مزاج کے صحافی خال خال نظر آتے ہیں، صحافتی دنیا سے ایمان داری اور صداقت عنقا ہو چکی ہے، اس کے برعکس ایک ایسی زہر آلود ذہنیت صحافت کا مقوم بن چکی ہے، جو کذب بیانی، عصبیت، فرقہ وارانہ منافرت، جانبداری، بے راہ روی، گمراہی کا راستہ دکھا رہی ہے، یہی وجہ ہے کہ ہندوستانی میڈیا خصوصا ٹی وی چینلز اپنا اعتبار کھو چکے ہیں، ہندوستانی میڈیا میں آج ماحول کو بنانے اور بگاڑنے، حقائق کو صحت کے ساتھ بیان کرنے یا اسے مسخ کرنے میں ٹی وی چینلز کا سب سے اہم کردار ہے، اس لیے ہم یہاں پہ اسی ذریعہ ابلاغ کے حوالے سے گفتگو کریں گے۔

ہندوستان میں جب ہمارے رہنما آزادی کی لڑائی میں مصروف تھے، ٹھیک اسی وقت ایک ایسی تنظیم اپنے بال و پر پھیلا رہی تھی، جس کا مقصد تشدد، مختلف مذاہب خصوصا مسلمانوں سے نفرت اور ایک ایسا ماحول بنانا تھا جو ملک کے اتحاد اور سالمیت کو پارہ پارہ کردے، تقریبا آٹھ دہائیوں پر مشتمل اس کی مسلسل کوششوں نے ایسا قالب تیار کرلیا، جس میں بچپن ہی سے لوگوں کو ڈھالا جاتا ہے، چار نسلیں گذرنے کے بعد اب ملک اور حکومت کا ہر شعبہ اس سے متاثر ہو چکا ہے، نفرت اور عصبیت کی کائی ذہنوں پر جم چکی ہے، جمہوری قدریں اور تعلیم و تربیت اس ذہنیت کو تبدیل کرنے سے قاصر ہے، اسلام اور ہندوستانی مسلمانوں کے خلاف نفرت کی آگ میں لوگوں کو اس قدر سوختہ کردیا گیا ہے کہ کوئی دوسرا رنگ چڑھنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو چکا ہے۔

ہندوستانی میڈیا خصوصا ٹی وی چینلز بھی اسی ذہن کی عکاسی کرتے ہیں، چینلز کے مالکوں کی اپنی ایک پالیسی ہوتی ہے جس کا مقصد ایسی دلچسپ خبریں اور تجزیہ پیش کرنا ہے جو چینل کو زیادہ سے زیادہ مقبول بنا سکے اور مالک زیادہ سے زیادہ دولت

بٹور سکے، اب یہ خبریں سچی ہوں یا جھوٹی منافرت پیدا کرتی ہوں یا محبت کا پیغام دیتی ہوں، کسی کی دل آزاری ہوتی ہو یا کسی کو خوشیاں ملتی ہوں، اس سے انہیں کوئی مطلب نہیں ہے، دوسری طرف ملک میں اگر کوئی اہم واقعہ رونما ہو جائے تو ٹی وی چینلز اس موقع کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے، چینلوں میں ایسی مقابلہ آرائی ہوتی ہے کہ توبہ بھلی۔ افواہیں، جھوٹی خبریں، متضاد بیانات، جعلی تاریخ، بے سروپا مفروضات، سیاسی نیتاؤں کے مباحثے، نام نہاد ماہرین کی آراء سب کچھ مسلسل اور ہفتوں چلتا رہتا ہے، کبھی بڑی سے بڑی خبر کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اور کبھی معمولی اور غیر اہم خبر کو اتنی بار دہرایا جاتا ہے کہ ناظر اکتا کر یا ٹی وی بند کر دیتا ہے یا چینل بدل دیتا ہے، پونے دوسو سے زائد مقامی، قومی اور بین الاقوامی ہندی، انگلش چینلز کا باستثنائے چند یہی حال ہے۔

ممبئی کے حالیہ دہشت گردی کے واقعہ میں ہندوستانی میڈیا نے اپنے اسی پرانے متعصّبانہ ذہنیت کا جس طرح مظاہر کیا ہے وہ کچھ کم قابل مذمت نہیں ہے، دہشت گردوں کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا ہے، وہ ملک اور انسانیت کے دشمن ہوتے ہیں، ان کا مقصد ملک کی ترقی کو روکنا، معاش کو کھوکھلا کرنا، باہمی منافرت پھیلانا اور ملک کی سالمیت کو پارہ پارہ کرنا ہے، یہ جملے ہر اخبار نویس، صحافی، مضمون نگار مسلسل دہرا رہے ہیں اور جب بھی دہشت گردی کا کوئی واقعہ ہوتا ہے، یہی صورت حال ہمارے سامنے آتی ہے، دہشت گردی کا ہر واقعہ اپنے ساتھ مصائب کا ایسا طوفان لاتا ہے جس سے لرزہ خیز روحیں کانپ اٹھتی ہیں، مثال کے طور پر ہم صرف ممبئی کا حالیہ واقعہ لیتے ہیں۔

سیریل بم بلاسٹ کو دو گھنٹے بھی نہیں گذرے کہ ٹی چینلوں نے جوش وخروش کے ساتھ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ یہ کام انڈین مجاہدین یا سیمی کا ہے، شک کی سوئی ادھر ہی جارہی ہے، دوسری طرف یہ بیانات بھی نشر کئے جارہے ہیں کہ تفتیشی ایجنسیوں کا کہنا ہے ابھی کچھ بتلانا مشکل ہے کہ یہ واردات کس تنظیم نے انجام دیا ہے، دوسرے دن یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اعظم گڈھ میں مختلف جگہوں پر چھاپے مارے گئے، بعد میں پتہ چلا کہ یہ صرف جھوٹ اور افواہ ہے، کسی چینل نے اس پر کوئی شرمندگی نہیں ظاہر کی، گویا تفتیش شروع ہونے سے قبل ہی خبری چینلوں نے مجرموں کی نشان دہی کر دی، دراصل یہ وہی متعصّبانہ ذہنیت ہے جس کا شکار ہماری بدنام صحافت ہے، ان کا مقصد صرف یہ بتلانا ہے کہ دہشت گردی کا کوئی واقعہ ہو اس کے ذمہ دار مسلمان ہیں، یہ ممکن ہے کہ کچھ گمراہ افراد ملوث ہوں لیکن اسے بنیاد بنا کر نفرت کا ماحول پیدا کرنا ملک اور قوم کی خدمت نہیں ہے، صحافت کا یہ انداز تفتیشی ایجنسیوں کو بھی متاثر کرتا ہے، وہ اپنی تفتیش کا دائرہ انتہائی محدود کر لیتے ہیں اور تفتیش کی سمت غلط راہوں میں جا پڑتی ہے، اصل مجرمین دانستہ یا نادانستہ بچ نکلتے ہیں اور ہزاروں بے گناہ نوجوان ناکردہ گناہوں کی سزا جھیلتے ہیں، ان کا مستقبل، ان کا کیریر برباد ہو جاتا ہے، ان کا کنبہ، خاندان رشتہ دار بھی اس کی زد میں آتے ہیں، سالہا سال

کی تحقیق کے بعد کبھی انہیں رہائی بھی ملے گی تو پولیس کی تعذیب کا روایتی انداز انہیں جینے کے لائق نہیں چھوڑے گا۔

دہشت گردی اس دور کا سب سے بڑا چیلنج ہے، چیلنج جتنا بڑا ہوتا ہے، اس کی تیاری بھی اسی معیار کی ہونا چاہئے، میرے نزدیک اس کے لیے سب سے زیادہ ضروری ذہنیت کی تبدیلی ہے، متعصّبانہ ذہنیت کا جب تک خاتمہ نہیں ہوگا، مزاج سیکولر نہیں بنے گا، دہشت گردی کا مکمل سد باب نہیں ہوسکتا ہے، یہ ایک مشکل مہم ہے، لیکن ناممکن نہیں ہے، تفتیشی ایجنسیوں کا مزاج سیکولر ہوگا تو ان کی نظر ہر ایسی تنظیم پر ہوگی، جس کے نظریات اور عقائد میں تشدد کی آمیزش ہے، جو ملک کو ٹکڑوں میں بانٹنا چاہتی ہے، جو جمہوری اقدار کی دشمن ہے، اور پھر اصل مجرم کو واردات انجام دینے سے پہلے گرفت میں لینا مشکل نہ ہوگا، ایسے سیاسی اور مذہبی رہنماؤں پر بھی بندشیں لگانا ضروری ہے، جو اپنی اشتعال انگیزیوں کے لیے بدنام ہیں، جمہوریت کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص کو اس قدر آزاد اور بے لگام چھوڑ دیا جائے کہ وہ پورے ملک کی فضا کو مسموم کرے، زہر کی کاشت کرنے والے کو آزاد چھوڑ دینا انتہائی غیر دانش مندانہ عمل ہے، مثال کے طور پر ممبئی کے حالیہ سیریل بلاسٹ کے بعد ڈاکٹر سوامی سبرامنیم کا ایک نہایت زہریلا مضمون ممبئی کے انگریزی روزنامہ ڈی این اے میں شائع ہوا جس کا لب لباب یہ ہے کہ پانچ سال کے عرصہ میں ہندوتو کو چھا جانا چاہئے، اجودھیا کے ساتھ تین سو مساجد پر قبضہ کرنا چاہئے، اور دہشت گردی کا مقابلہ ایک بڑی دہشت گردی سے کرنا چاہئے، یہ حضرت دنیا کے سب سے بڑے جمہوری ملک کے مرکزی وزیر رہ چکے ہیں اور جنتا پارٹی کے سرکردہ افراد میں سے ہیں، ایسے پرتشدد نظریات رکھنے والے حضرات ہی دہشت گردی کو بڑھاوا دیتے ہیں۔

آج پاکستان دہشت گردی کا مرکز بنا ہوا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ وہاں کی سیاسی پارٹیاں اپنے مفاد کی خاطر دہشت گرد تنظیموں سے سانٹھ گانٹھ کئے ہوئے ہیں، وہ ان تنظیموں سے خوف زدہ ہیں، ہمارے ملک کو اس سے بچنا ہوگا، دہشت گرد افراد ہوں یا تنظیم جب تک ہم اس سے ڈرتے رہیں گے، اس چیلنج کا مقابلہ کامیابی کے ساتھ نہیں کرسکتے۔

میڈیا کو بے لگام چھوڑنا بھی مسائل کے حل کی راہ میں رکاوٹ ہے، حکومت کو ان کے لیے ایسے اصول اور ضابطے وضع کرنا پڑے گا جو انہیں مخصوص ذہنیت سے باہر نکال سکے، اس کی تنگ نظری کو بدل سکے، جھوٹی اور سچی خبریں، متضاد بیانات اور افواہیں پھیلا کر نہ اس کا کوئی معیار رہے گا اور نہ کوئی وقار۔

☆☆☆

جامع البيان من تاويل آي القرآن
لأبي جعفر محمد بن جرير بن يزيد الطبري
(۲۲۴-۳۱۰ھ)

مولانا محمد اعظمی رمئوناتھ بھنجن

علم تفسیر میں یہ بلند پایہ کتاب اپنے مصنف کی طرف نسبت سے تفسیر ابن جریر کے نام سے معروف ہے، کتاب کے تعارف کے ساتھ صاحب کتاب کا تعارف بھی لزوماً ہوا کرتا ہے، اس لیے پہلے امام ابن جریر کا تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

امام طبری ان نادر روزگار ہستیوں میں سے تھے جن کے ذخیرۂ علم وفن میں ان کے زمانے کا کوئی شخص شریک نہیں ہوسکا، علم وفن کا کوئی میدان ایسا نہیں ہے جس میں انہوں نے گھوڑا نہ دوڑایا ہو۔ ان کے ترجمہ نگاروں کا بیان ہے کہ ان کی مثال اس قاری جیسی ہے جو علم قرآن کا ماہر ہوتا ہے، اس محدث جیسی ہے جو علم حدیث میں طاق ہوتا ہے، اس فقیہ جیسی ہے جو علم فقہ میں بے بدل ہوتا ہے، اس نحوی جیسی ہے جو فن نحو کا رمز شناس ہوتا ہے، اور اس حساب داں جیسی ہے جو حساب دانی میں یکتا ہوتا ہے، خطیب بغدادی لکھتے ہیں: "وكان أحد أئمة العلماء يحكم بقوله ويرجع إلى رأيه لمعرفته وفضله، وكان قد جمع من العلوم ما لم يشاركه أحد من أهل عصره، وكان حافظا لكتاب الله، عارفا بالقراء ات، بصيرا بالمعاني فقيها في أحكام القرآن، عالما بالسنة وطرقها وصحيحها وسقيمها، وناسخها ومنسوخها، عارفا بأقوال الصحابة والتابعين"۔ (تاریخ بغداد ج ۲ ص ۱۶۳)

قرآن کی وجوہ قراءات کے اتنے زبردست عالم تھے کہ ابوعلی الحسن اھوازی کا قول ہے کہ: "له في القراء ات كتاب جليل كبير، رأيته في ثماني عشرة مجلدة" قراءات میں جریر کی بہت بڑی کتاب ہے، میں نے اس کو اٹھارہ جلدوں میں دیکھا ہے۔

امام طبری کے علم وفضل کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کو مختصر طور پر بھی احاطۂ تحریر میں لانا مشکل ہے، اس لیے بطور خلاصہ جوہر شناس اہل علم وفضل کی درج ذیل متفقہ شہادت پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

" ان ابن جرير الطبري كان في العلوم الشرعية واللغوية والتاريخية اماما مجتهدا، ومرجعا معتمدا بلا منازع ". یعنی ابن جریر طبری، شرعی، لغوی اور تاریخی علوم میں بلا اختلاف امام مجتہد اور معتمد مرجع ہیں۔

نام تفسیر:

جس تفسیر کا تعارف پیش کیا جارہا ہے اس کا نام ہے: "جامع البيان عن تأويل آي القرآن" یہ اسم با مسمی

ہے،تفسیر میں واقعۃً جامع العلوم والفنون کتاب ہے، یہ تیسری صدی ہجری کا وہ نادر شاہکار ہے جس کے بارے میں خطیب بغدادی کا قول ہے: "وله كتاب في التفسير لم يصنف أحد مثله" تفسیر میں اس جیسی کتاب کسی نے نہیں لکھی ہے۔

منہج تفسیر:

جامع البیان کا منہج بہت ہی متوازن، کامل اور سابقین کے مناہج سے ممتاز ومنفرد ہے، اس میں وہ تمام چیزیں موجود ہیں جن کی کسی بھی مفسر کو ضرورت ہوا کرتی ہے، چنانچہ اس کتاب کا قاری دیکھتا ہے کہ پورے قرآن میں ایک ایک آیت، ایک ایک کلمہ کی تفسیر ماثور ومعقول نہج پر کی گئی ہے، اور یہ اہتمام کیا گیا ہے کہ کتاب اللہ کے معانی مراد کے بیان میں سلف صالح سے مروی اقوال صحیحہ کا ذکر چھوٹنے نہ پائے، اور نہ ان پر لغوی قواعد یا فقہی قیاسات کو مقدم کیا جائے، البتہ جہاں اقوال سلف میں اس قسم کا اختلاف پایا جائے کہ ان کے درمیان جمع وتطبیق مشکل ہو تو لغوی، اعرابی، قراءتی وغیرہ دلائل وشواہد کی روشنی میں ترجیح کا طریقہ اختیار کیا گیا ہے۔

تفسیر بالماثور والمعقول منہج جمعی سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہی جامع البیان کا خاص منہج ہے، لیکن اس میں عقل کو شرع پر مقدم نہیں کیا گیا ہے، اور نہ تفسیر بالرائے کو سلف سے ثابت شدہ صحیح قول کی تائید کے بغیر قبول کیا گیا ہے، البتہ جن آیات کی تفسیر میں سلف صالح کا کوئی معتبر قول موجود نہیں ہوتا ہے وہاں معنی مراد کی ترجیح کے لیے ادلہ عقلیہ اور قواعد لغویہ کو استعمال کیا گیا ہے۔

معتمد اصول تفسیر:

امام طبری نے اپنی تفسیر کی بنیاد جن اصولوں پر رکھی ہے ان میں اول نمبر پر نصوص شرعیہ ہیں، اور سب سے مقدم مرتبہ تفسیر القرآن بالقرآن کا ہے، کیونکہ "ان القرآن يفسر بعضه بعضا" ایک واضح حقیقت ہے، چنانچہ کسی مقام پر کوئی چیز مجمل ہے تو دوسری جگہ مفصل ہے، کہیں پر مطلق ہے تو دوسری جگہ مقید ہے، کسی جگہ عام ہے تو اور جگہ پر خاص ہے وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ کا منہج بھی یہی تھا کہ قرآن کی تفسیر قرآن سے کیا کرتے تھے، جیسا کہ سورۃ الانعام کی آیت "الذين آمنوا ولم يلبسوا إيمانهم بظلم" میں "ظلم" کی تفسیر شرک سے فرما کر سورہ لقمان کی آیت "إن الشرك لظلم عظيم" سے استدلال فرمایا ہے۔(بخاری وغیرہ)

امام طبری اپنی کتاب مذکور میں اس منہج نبوی کی پیروی بہت شدت کے ساتھ کرتے ہوئے نظر آتے ہیں، ان کی تفسیر میں اس کے شواہد بکثرت موجود ہیں، یہی وجہ ہے کہ تفسیر القرآن بالقرآن میں امام طبری اپنے بعد والے مفسرین کا مرجع ومقتدی قرار پائے، ان سے مستفیدین اور ان کے منہج قویم کے سالکین میں حافظ ابن کثیر سب سے بہتر مانے گئے ہیں، لیکن اصل اور نقل میں جو فرق ہوا کرتا ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا ہے، حافظ ابن کثیر کہیں کہیں کسی آیت کی تفسیر میں وہ تمام آیتیں ذکر کرتے ہیں جن کا تعلق زیر تفسیر آیت سے کسی طور پر ہوسکتا ہے، چاہے بات کتنا ہی دراز ہو جائے اور آیتوں کا انبار لگ

جائے، ان کے برخلاف امام طبری اعتدال کی راہ اختیار کر کے آیت کے معنی پر استدلال کے لیے ایک دو آیتوں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں، اور دوسری ہم معنی آیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تنبیہ کر دیتے ہیں کہ اپنے مقام پر اس کے متعلق بتایا جائے گا۔

شیخ محمود شاکر نے امام طبری پر یہ اعتراض کیا ہے کہ وہ کہیں کہیں بے موقع ومحل آیت سے استدلال کیا کرتے ہیں، اس قسم کی آیات کا ایک نقشہ تیار کر کے تفسیر طبری کے جزء اول میں شامل کر دیا ہے۔

تفسیر القرآن بالسنۃ:

ابن جریر کے معتمد اصول تفسیر میں دوسرے درجہ پر تفسیر القرآن بالسنۃ ہے، اس ناحیہ سے تفسیر ابن جریر کا یہ امتیازی وصف ہے کہ آیت کی تفسیر میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث اور صحابہ وتابعین کے اقوال دوسری تفسیروں کے مقابلے میں بہت زیادہ نقل کئے گئے ہیں، بعض مؤرخین کا بیان ہے کہ تفسیر طبری میں ابتداءً احادیث وآثار منقولہ کی کثرت کی وجہ سے اس کی ضخامت بہت زیادہ تھی، حذف واختصار کے بعد موجودہ ضخامت کو پہنچی ہے، پھر بھی یہ بات لائق تحسین ہے کہ تمام احادیث وآثار منقولہ کو ان کی مکمل اسناد کے ساتھ ذکر کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، اگر کبھی کسی راوی کے نام میں بھول ہوگئی ہے تو اس کی صراحت کر دی گئی ہے۔

تفسیر القرآن بالسنۃ کے سلسلے میں امام طبری کا اسلوب یہ ہے کہ آیت کے مفردات وعبارات کی شرح پہلے علماء لغت کے اقوال سے کرتے ہیں، پھر "قال أهل التأويل" کے عنوان سے احادیث وروایات نقل کرتے ہیں، اور ان میں سے جسے راجح اور اولی بالقبول سمجھتے ہیں اس کو بایں الفاظ بیان کرتے ہیں "وأولى الروايات بالقبول عندي ما رواه فلان" یا "قال أبوجعفر: أولى الأقوال عندي ما قاله فلان" یا اس کے مثل، اگر روایات یا اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہو تو ترجیح وتضعیف کے لیے رجال سند میں قوۃ وضعف کو معیار بناتے ہیں، یا اصول شرعیہ وعلمیہ یا نصوص لغت عربیہ اور اقوال شعراء عرب کی طرف رجوع کرتے ہیں، لیکن ہر حال میں تمسک بمذهب السلف الصالح کا اسلوب راجح وغالب رہتا ہے۔

تفسیر القرآن بالسنۃ کے باب میں امام طبری کی انفرادی شان یہ ہے کہ ایک مضمون کی تمام روایات کو بہت ہی عجیب اور قابل رشک ترتیب کے ساتھ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ روایات کی صحت ومعنویت اور ان میں فرق مراتب کی طرف واضح اشارہ ہو جاتا ہے، ان خصائص ومحاسن کے ساتھ ساتھ اہل تحقیق نے امام طبری کو کئی وجوہ سے اخذ ونقد کا ہدف بنایا ہے، مثلاً:

۱- امام طبری نے ایک معنی ومضمون کی تمام روایات کو ذکر کر کے خواہ مخواہ کتاب کو طویل وضخیم بنا دیا ہے، حالانکہ بعض روایات کے ذکر پر اکتفا کرنا زیادہ مستحسن وبہتر تھا۔

۲- تفسیر طبری میں ایسے اقوال کی کثرت ہے جو بے فائدہ ہیں اور آیت کے مفہوم سے پوری طرح ان کا تعلق بھی نہیں

ہے، اور نہ عقل وذوق اور مقتضاء حال کے مطابق ہیں، یہ اقوال اس عظیم الشان کتاب میں ذکر کئے جانے کے لائق نہیں ہیں، چنانچہ بعض مقامات پر امام طبری کو بھی یہ احساس ہوا کہ یہ طول کلامی بے فائدہ ہے، اس لیے قلم روک کر معذرت کر لیتے ہیں۔

۳-تفسیر طبری پر سب سے اہم گرفت یہ کی گئی ہے کہ اس کے بہت سے مقامات میں مذکورہ روایات پر صحت یا ضعف کا حکم نہیں لگایا گیا ہے، جبکہ ان روایات میں ایک خاص مقدار اس قسم کی ہے کہ اس کا ضعیف یا اسرائیلیات میں سے ہونا شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور اس کی اسانید نقلا وعقلا کسی طرح صحیح نہیں کہی جاسکتی ہیں۔

ان اسرائیلی روایات واسانید نے ایک طرف آیات قرآنیہ کے معانی ومقاصد کو بے وزن کر دیا ہے تو دوسری طرف اسلامی عقیدہ اور عصمۃ انبیاء کو بھی مجروح کیا ہے، اور مستشرقین کے لیے اسلام اور مسلمانوں پر قدح وطعن کا دروازہ کھولا ہے، اس ضخیم کتاب میں تتبع سے جابجا اس کی مثالیں ملیں گی، چنانچہ انبیاء کرام میں خاص کر حضرت یوسف، حضرت داود، حضرت سلیمان اور حضرت محمد علیہم الصلاۃ والسلام کی عصمتوں کو داغدار کرنے میں اسرائیلی روایات وحکایات نے کوئی کسر نہیں چھوڑی ہے۔

اس کے لیے تفسیر طبری میں آیات ذیل کی تفاسیر ملاحظہ کی جائیں:

۱- ولقد همت به وهم بها، الآية۔ (يوسف:۲۴)

۲- إن هذا أخي له تسع وتسعون نعجة ولي نعجة واحدة۔ (ص:۲۳)

۳- ولقد فتنا سليمان وألقينا على كرسيه جسدا ثم أناب۔ (ص:۳۴)

۴- وإذ تقول للذي أنعم الله عليه وأنعمت عليه، الآية۔ (الأحزاب:۳۷)

۵- ومن أظلم ممن افترى على الله كذبا أو قال أوحي إلي ولم يوح إليه شيء۔ (الأنعام:۹۳)

۶- سورة النجم، قصة الغرانيق۔

خلاصہ یہ کہ تفسیر ابن جریر ان تمام روایات کی جامع کتاب ہے جو رسول اللہ ﷺ اور صحابہ وتابعین سے مروی ہیں، تفسیر بالمنقول کا کوئی عالم وباحث اس کتاب سے مستغنی نہیں رہ سکتا، کاش یہ عظیم الشان کتاب بے فائدہ حشو وتطویل، احادیث ضعیفہ، اسرائیلیات اور اقوال مکذوبہ سے خالی ہوتی۔

تحلیل لغوی:

امام طبری نے آیات کی تفسیر میں احادیث وروایات کے بعد لغوی تحلیل وتحقیق پر اعتماد کیا ہے، تحلیل کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ جن الفاظ کے معنی میں علماء کا اختلاف ہوتا ہے ان الفاظ کو اصول اشتقاقات اور عرب کے استعمالات ومحاورات کی کسوٹی پر پرکھتے ہیں، پھر علماء لغت کے نزدیک وہ لفظ جس معنی میں مشہور ہوتا ہے اس پر عرب کے نثری اور شعری کلام سے استشہاد کر کے اپنے قول کی صحت پر اسی کو حجت قرار دیتے ہیں، مثال کے طور پر "بسم الله" کی تفسیر میں دو قول مشہور ہیں، ایک یہ کہ

بسم اللہ میں اسم بمعنی تسمیہ ہے، دوسرا قول یہ ہے کہ اسم بمعنی مسمی (اللہ) ہے، امام طبری نے پہلے قول کو ترجیح دیا ہے، اور اس کی صحت پر لغت عرب سے بہت سی دلیلیں پیش کی ہیں، پھر اس پر سنت سے بھی دلیل کا اضافہ کیا ہے، اس قسم کی مثالیں اس تفسیر کا مطالعہ کرنے والوں سے پوشیدہ نہیں ہیں۔

فنون بلاغت:

امام طبری کو معرفت لغت عرب کے ساتھ فنون بلاغت میں بھی خاص ملکہ حاصل تھا، تفسیر میں اس کے مظاہر اور نمونے بخوبی دیکھے جاسکتے ہیں، معانی و بلاغت کی مروجہ مصطلحات اور اصول امام طبری کے دور میں موجود نہیں تھے، پھر بھی انہوں نے ایک ماہر فن کی طرح کلام الٰہی کو معانی و بلاغت کے محاسن سے آراستہ کیا ہے، لیکن بعض دفعہ عرف لغت سے متاثر ہوکر الفاظ کو بلاغت کا جامہ پہنانے کے لیے ظاہر کلام سے اس قدر دور نکل جاتے ہیں کہ الفاظ اپنے حقیقی معنی سے بے تعلق ہوکر رہ جاتے ہیں، یہ صورت حال ان کی مجتہدانہ شان پر قادح نہیں کہی جاسکتی، کیونکہ وہ اپنے منہج سلیم کی اتباع میں بغیر حجت شرعیہ کے ظاہر النص سے تجاوز کرنا جائز نہیں سمجھتے۔

امام طبری الفاظ قرآنیہ کے معانی بیان کرتے وقت صرف تحلیل لغوی اور توضیح فنون بلاغت پر اکتفا نہیں کرتے ہیں، بلکہ ساتھ ہی ساتھ خالص عربی اشعار سے اس کثرت کے ساتھ استشہاد کرتے ہیں کہ بعض لوگوں کے بقول ان کی تفسیری کتاب شعری دیوان ہوگئی ہے، جو الفاظ قرآن اور الفاظ عربیہ کے معانی پر بحث وتحقیق کرنے والوں کے لیے مرجع کہی جاسکتی ہے۔

علم النحو:

تفسیر طبری میں منجملہ علوم وفنون، علم النحو والصرف کا زبردست نادر خزانہ بھی موجود ہے، چونکہ اعراب کو فرع المعانی کہا جاتا ہے، امام طبری نے بہت زیادہ آیات کی تفسیر وتاویل میں اعراب کو نصب العین اور معنی کی تصحیح وترجیح کا معیار بنایا ہے، ان کی جامع البیان ان مسائل نحویہ سے لبریز ہے جن میں وہ متفرد شان اور امام فن کے منصب پر فائز نظر آتے ہیں، ماہرین فن کا قول ہے کہ تفسیر طبری میں منتشر مسائل نحویہ کو یکجا کردیا جائے تو علم نحو میں ایک ضخیم کتاب تیار ہوجائے گی۔

جس طرح تمام علوم وفنون میں امام طبری کا منہج مجتہدانہ اور غیر تقلیدی ہوتا ہے، اسی طرح علم نحو میں بھی اسی منہج پر چلتے ہوئے وہ ائمہ نحو سے اصول ومسائل نحویہ وصرفیہ میں بحث ومناقشہ کرتے ہیں اور پیچیدہ سے پیچیدہ قضایا نحویہ کی تحلیل وتعلیل اور تشریح کرکے ان کی عقدہ کشائی کرتے ہیں، امام طبری کو دوسرے مفسرین سے ممتاز کرنے والے اوصاف میں سب سے اہم وصف یہ ہے کہ وہ ہر ایک کوفی وبصری نحویوں کی آراء پوری امانت ودیانت کے ساتھ نقل کرتے ہیں، پھر مسئلہ زیر بحث میں ایک عادل قاضی کی شان سے دونوں فریقوں کے درمیان ایسے طرز سے محاکمہ کرتے ہیں کہ ان کے درمیان موافقت کی سبیل نکل آتی ہے۔

اہتمام بالقراءات:

کتاب اللہ کے تفسیری قواعد ووسائل میں قراءۃ کی انواع اور مختلف طریقوں کو خاص اہمیت حاصل ہے، ان سے فہم آیت میں بہت مدد ملتی ہے، اس لیے امام طبری نے اپنی کتاب جامع البیان میں قراءۃ کی وجوہ وانواع کے ذکر کا خاص اہتمام کیا ہے، اور وجوہ قراءت کی تعداد کثیر ہونے کے باوجود ان کی شرح وبیان میں اختصار سے کام نہیں لیا ہے، کیونکہ قراءت کا تنوع قرآن کی بلاغت اور اعجاز بیانی کی منفرد قسم ہے، ابن جزری کہتے ہیں کہ ہر قراءۃ بمنزلہ آیت کے ہے، اس اعتبار سے ایک کلمہ کے نطق کا تنوع اور تلفظ کا تعدد بہت سی آیات کے قائم مقام ہے، یہ کتاب اللہ کا وہ عظیم اعجاز اور بے مثال بلاغت ہے کہ قراءات میں کثرت اختلاف وتنوع کے باوجود کہیں پر بھی کوئی تضاد، تناقض اور تعارض کا دور دور تک کوئی پتہ نہیں ہے، بلکہ ہر قراءۃ دوسری قراءۃ کی تصدیق وتائید کررہی ہے۔

امام طبری نے بعض قراءتوں پر بقاعدہ نحویہ یا لغویہ نکیر کی ہے، یا ان پر شاذ اور غیر مشہور ہونے کا حکم لگا کر قراءۃ سبعیہ کا انکار کیا ہے، چنانچہ اللہ تعالی کے قول "فتلقى آدم من ربه كلمات" کی تفسیر میں قراءۃ کی دوصورتیں بیان کرتے ہیں، اول رفع "آدم" بر بناء فاعل، اور نصب "كلمات" بر بناء مفعول بہ، امام طبری اسی کے قائل ہیں۔

دوسری قراءۃ نصب "آدم" بر بناء مفعول بہ، اور رفع "كلمات" بر بناء فاعل، اس دوسری قراءۃ کو غلط اور ناجائز کہتے ہیں، حالانکہ یہ ابن کثیر کی قراءۃ ہے جو قراء سبعہ میں سے ایک ہیں۔

اسی طرح اللہ تعالی کے قول "واتقوا الله الذي تساء لون به والأرحام" میں "الأرحام" کے اعراب کی دوصورتیں، نصب اور جر ذکر کرکے جر والی قراءۃ کو جائز نہیں کہتے ہیں، حالانکہ یہ بھی قراء سبعہ میں سے حمزہ کی قراءۃ ہے، اس نوع کی مثالیں اور بھی ہیں، اس انکار کی وجہ شاید یہ ہو کہ امام طبری کے زمانے میں قراءۃ سبعہ کو شہرت اور تلقی بالقبول حاصل نہ ہوئی ہو۔

تفسیر ابن جریر کے اس اجمال تعارف کے بعد اس کے چند تفردات کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے۔

محکم ومتشابہ اور نسخ کے بارے میں ابن جریر کی رائے دوسرے مفسرین ومحققین سے مختلف ہے، اس کے علاوہ ''ذبیح'' اور ''ہاروت وماروت'' کے بارے میں بھی ان کی رائے جداگانہ ہے، چنانچہ "فبشرناه بغلام حليم" کی تفسیر میں لکھا ہے کہ ذبیح اسحاق ہیں، اسی طرح ہاروت ماروت پر بحث کرتے ہوئے ان دونوں کو فرشتے قرار دیا ہے۔

ان تفردات اور دوسری تقصیرات سے صرف نظر کرتے ہوئے تفسیر ابن جریر کے تعارف کا خلاصہ ان الفاظ پر ختم کیا جاتا ہے کہ اس عظیم کتاب کا اسلوب، سہل عبارت، واضح بیان، دقت بحث اور امانت نقل کا حامل ہونے کی وجہ سے ممتاز اور منفرد ہے۔

☆☆☆

اہل بیت صحابہ سے متعلق غلو وتنقیص کرنے والوں کے لیے آیات عبرت

مولانا عبدالوہاب حجازی

(۴) قرآن مجید، احادیث صحیحۂ رسول کی ہدایات کی روشنی میں اہل السنۃ والجماعۃ کا معتدل موقف ہمیشہ یہی رہا ہے کہ اہل بیت رسول سے محبت کی جائے اور ان سے متعلق غلو اور تقصیر کی انتہاؤں سے بچا جائے کہ یہ ہلاکت کی راہیں ہیں اور صراط مستقیم سے انحراف ہیں، ہم یہ پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اصحاب رسول رضوان اللہ علیہم اجمعین میں عام صحابہ ؓ کے ساتھ اہل بیت کے صحابہ ؓ بھی شامل ہیں، سیرت الرسول پڑھنے والے جانتے ہیں کہ آپ کی حیات مبارکہ کے جملہ مہمات امور میں تمام صحابہ کا تذکرہ آتا ہے، اور قرآن مجید نے بھی صحابہ کرام کے عدیم النظیر مخلصانہ کردار کا ذکر اور ان کے فضائل کا بیان جہاں کیا ہے وہاں عام صحابہ ؓ اور اہل بیت صحابہ ؓ کا ذکر مشترک طور پر آیا ہے، اس نوع کی آیات قرآنی یا احادیث صحیحہ کو پڑھتے وقت اہل بیت کی تنقیص کرنے والے یا عام صحابہ کی تنقیص اور اہل بیت صحابہ کی عصمت ظاہر کرنے والے ایمان وبصیرت کی روشنی میں دیکھیں کہ جب سب کے فضائل اللہ تعالی نے مشترک طور پر بیان فرمائے ہیں تو ہم تفریق اور تکفیر کا پیمانہ ایجاد کرنے والے کون ہوتے ہیں، ذیل میں ہم اس نوع کی چند مشترک آیات کا ذکر کرتے ہیں:

(۱) للفقراء المهاجرين الذين أخرجوا من ديارهم وأموالهم يبتغون فضلا من الله ورضوانا، وينصرون الله ورسوله، أولئك هم الصادقون﴾ (الحشر: ۸) یعنی (فئی کا مال) ان مہاجرین مسکینوں کے لیے ہے جو اپنے گھروں اور اپنے مالوں سے نکال دیئے گئے ہیں، وہ اللہ کے فضل اور اس کی رضامندی کے طلب گار ہیں، اور اللہ تعالی کی اور اس کے رسول کی مدد کرتے ہیں، یہی سچے لوگ ہیں، ان مہاجرین میں عام صحابہ کے ساتھ ابوبکر وعمر اور عثمان بھی ہیں اور اہل بیت صحابہ میں حضرت حمزہ اور علی وغیرہ بھی، اس آیت میں "يبتغون الخ" سے ان کے اخلاص نیت اور "ينصرون الخ" سے اثبات عمل اور "الصادقون" سے نیت کی سچائی اور عدم ریا وسمعہ کا اثبات اللہ تعالی نے فرمایا ہے، غلو اور تنقیص کرنے والوں کے لیے یہ آیت نشان عبرت ہے، کہاں اللہ کا یہ بیان کہاں ان کا تکفیر اور تفریق کا کج مج راستہ۔

(۲) ﴿والذين تبووا الدار والايمان من قبلهم يحبون من هاجر اليهم، ولا يجدون في صدورهم حاجة مما أوتوا، ويوثرون على أنفسهم ولو كان بهم خصاصة﴾ (الحشر: ۹) اور ان کے لیے جنہوں نے اس گھر میں (یعنی مدینہ) اور ایمان میں ان سے پہلے جگہ بنالی ہے، اور اپنی طرف ہجرت کر کے آنے والوں سے محبت کرتے ہیں اور مہاجرین کو جو کچھ دے دیا جائے اس سے وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی نہیں رکھتے، بلکہ خود اپنے اوپر انہیں ترجیح دیتے ہیں، گو خود کو کتنی ہی سخت حاجت ہو، اس سے انصار مدینہ مراد ہیں، اس میں اللہ نے ان کے ایمان کا ذکر فرمایا ہے،

مزید یہ کہ وہ مہاجرین سے محبت کرتے ہیں، دل میں کوئی حسد اور انقباض نہیں رکھتے، اور سخت حاجت کے باوجود مہاجرین کو ترجیح دیتے ہیں، یہ مدینہ کے انصار صحابہ تھے، اللہ نے ان کے ایمان اور اعلی اوصاف کی گواہی دی ہے، اصحاب رسول کی تنقیص وتکفیر کرنے والے سوچیں کہ ان میں ہمارے رسول کے رشتے اور ننہال کے لوگ بھی تھے۔

(۳) ﴿والذين جاؤا من بعدهم يقولون ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذين سبقونا بالايمان ولا تجعل في قلوبنا غلا للذين آمنوا، ربنا إنك رؤف رحيم﴾ (الحشر:۱۰) اور ان کے لیے جو ان کے بعد آئیں جو کہیں گے کہ اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے ان بھائیوں کو بھی جو ہم سے پہلے ایمان لا چکے ہیں اور ایمان والوں کی طرف سے ہمارے دل میں کینہ (اور دشمنی) نہ ڈال، اے ہمارے رب بے شک تو شفقت اور رحم کرنے والا ہے۔ اس میں صحابۂ کرام کے تابعین، تبع تابعین اور قیامت تک کے اہل ایمان وتقوی جو صحابہ کے طریق پر چلیں سب شامل ہیں، لیکن شرط یہی ہے کہ مہاجرین وانصار صحابۂ رسول جن میں اہل بیت بھی شامل ہیں کو اپنا پیشرو بھائی مان کر ان کے ایمان کی شہادت دیں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہیں، اب جو غلو وتقصیر کے تقاضا میں ان میں تفریق کریں ان کی تکفیر کریں ان سے بغض وحسد رکھیں وہ کس طرح اس آیت میں شامل ہو سکتے ہیں۔

کفرست درطریقۂ ما کینہ داشتن آئین ماست سینہ چوں آئینہ داشتن

(۴) ﴿والسابقون الأولون من المهاجرين والأنصار والذين اتبعوهم بإحسان، رضي الله عنهم ورضوا عنه وأعد لهم جنات تجري تحتها الأنهار﴾ (التوبۃ:۱۰۰) اور جو مہاجرین اور انصار سابق اور مقدم ہیں، اور جتنے لوگ اخلاص کے ساتھ ان کے پیرو ہیں اللہ ان سب سے راضی ہوا، اور وہ سب اس سے راضی ہوئے، اور اللہ نے ان کے لیے ایسی جنتیں تیار کر رکھی ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔ راضی ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اللہ نے ان کی نیکیاں قبول فرمالیں اور ان کی خطاؤں کو معاف کر دیا اور ان کے لیے جنت تیار کر دی ہے، یہ مہاجرین وانصار صحابہ جن میں اہل بیت صحابہ بھی ہیں اور ان کے تابعین، تبع تابعین اور قیامت تک ان کے طریق پر چلنے والے شامل ہیں، غلو وتقصیر اور تفریق وتکفیر کی روش کا اس آیت سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

(۵) ﴿لقد رضي الله عن المؤمنين إذ يبايعونك تحت الشجرة، فعلم ما في قلوبهم فأنزل السكينة عليهم، وأثابهم فتحا قريبا﴾ (الفتح:۱۸) یقیناً اللہ مومنوں سے خوش ہو گیا، جبکہ وہ درخت تلے تجھ سے بیعت کر رہے تھے، ان کے دلوں میں جو تھا اسے اس نے معلوم کر لیا اور ان پر اطمینان نازل فرمایا اور انہیں قریب کی فتح عنایت فرمائی۔ اصحاب رسول نے حدیبیہ کے مقام پر رسول سے اس بات پر بیعت کی تھی کہ کفار مکہ سے ہم آخری سانس تک لڑیں گے، اللہ نے صحابہ ؓ کو مومن کہا ہے، ان سے راضی ہونے کی بشارت دی ہے، "فعلم الخ" سے معلوم ہوا کہ اللہ نے ان کے دل اور نیت کی سچائی اور اخلاص کو جان اور جانچ لیا، غلو وتقصیر اور تفریق وتکفیر کے راستوں پر چلنے والے، اس آیت قرآنی کے

آئینہ کے روبرو ہوکر صحابہ کرام ؓ کے متعلق جن میں اہل بیت صحابہ بھی شامل ہیں سوچیں اور اعتدال کی راہ پر آجانے کے لیے اللہ سے توفیق کا سوال کریں۔ اللهم اهدهم فانهم قد ضلوا سواء السبيل.

(۶) غزوۂ بدر میں شریک ہوکر کفار قریش سے نہایت بے سروسامانی کے عالم میں پہلی بار جنگ کرنے والے صحابۂ کرام کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اطلع الله عليهم وقال: اعملوا ما شئتم، فقد غفرت لكم. (بخاری: ۳۰۰۷) اللہ نے ان کی جانب جھانکا اور فرمایا: اب جو چاہو کرو یقیناً میں نے تم لوگوں کو بخش دیا۔ یہ غزوۂ بدر ''یوم الفرقان'' کہلاتا ہے، حق وباطل کی تفریق کا دن، اس میں فرشتے حتی کہ جبرئیل تک مسلمانوں کی معاونت کے لیے شریک جنگ ہوئے، ان کے متعلق اللہ تعالی نے جو یہ فرمایا کہ: ''اب جو چاہو کرو'' تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اب اگر ان سے کبائر بھی سرزد ہوں تو وہ معاف کردیئے جائیں گے، اور یہ کہ وہ اب اخلاص کی اس عظمت کو پہنچ گئے ہیں کہ کفر پر انتقال نہیں کرسکتے، یعنی اب ان سے کفر کا امکان ختم ہے، اس لیے کہ اللہ نے ان کو بخش دیا ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ اس غزوہ میں دیگر صحابہ ؓ کے ساتھ اہل بیت میں سے حضرت حمزہ ؓ اور حضرت علی ؓ وغیرہ شریک تھے، یعنی عام صحابہ اور اہل بیت صحابہ سب مومن اور جنتی ہیں، صحابہ ؓ اور اہل بیت ؓ کے متعلق غلو وتقصیر اور تفریق وتکفیر کرنے والے ایمانی بصیرت کو کام میں لائیں اور اعتدال کا یہ روشن راستہ اختیار کریں۔

(۷) ہمارے نبی نے اپنے صحابہ ؓ کے متعلق انتباہ دیتے ہوئے فرمایا ہے: "لا تسبوا أصحابي فوالذي نفسي بيده، لو ان أحدكم أنفق مثل أحد ذهبا، ما بلغ مد أحدهم ولا نصيفه" (بخاری: ۳۶۷۳) میرے صحابہ کی عیب جوئی اور برائی نہ کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر تم میں سے کوئی احد پہاڑ کے برابر سونا خرچ کردے تو ان کے ایک مد یا اس کے آدھا کے برابر نہیں پہنچ سکتا۔

اہل السنۃ والجماعۃ اس قول سے متعلق اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوئے صحابہ کی ادنی تنقیص سے پرہیز کرتے ہیں، ان کے فضائل ومناقب، اخلاص اور اتباع کو وہ درجہ دیتے ہیں جو تمام اقوام میں کسی کو حاصل نہیں، غلو وتقصیر اور تفریق وتکفیر کی کج مج پگڈنڈیاں ہلاکت کے راستے ہیں، صحابہ ؓ میں صحابۂ اہل بیت قیامت تک کے لیے داخل ہیں، ان سے متعلق وارد مشترک نصوص ہمارے لیے ہدایت اور اعتدال کی آیات الہیہ ہیں، ان سے روگردانی اللہ اور اس کے رسول سے روگردانی ہے۔ اللهم اهدنا وسددنا وثبتنا.

ما قصۂ سکندر ودارا نہ خواندہ ایم
از ما بجز حکایت مہر ووفا مپرس

☆☆☆

مدرسہ دارالحدیث رحمانیہ دہلی

اساتذۂ کرام

مولانا اسعد اعظمی/ استاذ جامعہ سلفیہ

(۴) شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری (۱۳۲۷ھ-۱۴۱۴ھ)

آپ ممتاز عالم دین صاحب سیرۃ البخاری علامہ عبدالسلام مبارکپوری کے صاحبزادے ہیں، مدرسہ عالیہ مئو، مدرسہ سراج العلوم بونڈھیار اور دارالحدیث رحمانیہ میں اپنے والد محترم کی نگرانی میں تعلیم حاصل کی، مولانا نے ان تینوں مدرسوں میں تدریسی خدمات انجام دیں اور ۱۹۲۴ء=۱۳۴۲ھ میں دہلی میں گھنٹہ گھر کے سامنے ایک بے لگام گھوڑے سے دب کر فوت ہو گئے۔

شیخ صاحب ۱۹۲۳ء=۱۳۴۱ھ میں اپنے والد محترم صاحب کے ساتھ رحمانیہ آئے اور چوتھی جماعت میں داخل ہوئے، آپ کے خاص اساتذہ میں مولانا احمداللہ پرتاپ گڈھی، مولانا غلام یحییٰ کانپوری، مولانا ابوطاہر بہاری، مولانا عبدالوہاب آروی رحمہم اللہ ہیں، ایام تعطیل میں گھر پر علامہ عبدالرحمٰن صاحب تحفۃ الاحوذی سے درس لیا اور سند اجازہ حاصل کیا، رحمانیہ سے ۱۳۴۵ھ= ۱۹۲۷ء میں آپ کی فراغت ہوئی اور اسی سال وہاں کے مدرس مقرر ہو گئے، اور ۱۹۴۷ء میں مدرسہ کے بند ہونے تک مسلسل ۱۸/سال حدیث و دیگر فنون کا درس دیتے رہے، درمیان میں تحفۃ الاحوذی کی تکمیل میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب مبارکپوری کی معاونت کے لیے دو سال ان کے ساتھ دارالحدیث ہی کی تنخواہ پر کام کیا، پھر تدریس کے لیے واپس آ گئے، ۱۹۳۸ء میں شیخ الحدیث مولانا احمداللہ پرتاپ گڈھی کے مستعفی ہو جانے کے بعد سے آپ ہی وہاں کے شیخ الحدیث مقرر ہوئے، آپ مدرسہ میں فتوی نویسی کا کام بھی کرتے تھے، اور مدرسہ سے شائع ہونے والے رسالہ محدث میں بھی تعاون کرتے تھے۔(۱)

دارالحدیث رحمانیہ کے بعد کسی اور ادارہ میں آپ نے درس و تدریس کا کام نہ کیا، بلکہ گھر پر یکسوئی کے ساتھ مشکاۃ کا حاشیہ مرتب کرنا شروع کیا، جو بعد میں اس کتاب کی لاثانی عربی شرح قرار پائی، جسے مرعاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح کے نام سے جانا جاتا ہے، اردو میں کچھ اصلاحی رسائل بھی آپ کے شائع ہوئے، آپ کی وفات کے بعد آپ کے خطوط کے متعدد مجموعے منظر عام پر آئے جو بڑی قیمتی علمی و تاریخی معلومات پر مشتمل ہیں، آپ کے فتاوی کی اشاعت کا کام بھی شروع ہو چکا ہے، مرکزی جمعیت اہل حدیث کے زیر اہتمام دو جلدیں میں شائع ہوئی ہیں، بقیہ بھی امید ہے جلد شائع ہو جائیں گی۔

آپ کے زہد و تقوی، بلندی اخلاق اور تواضع و انکساری کے بارے میں کچھ رقم کرنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے، محدث بنارس کے شیخ الحدیث نمبر (جنوری، فروری ۱۹۹۷ء) اور دیگر رسائل و جرائد کی طرف اس سلسلے میں تفصیل

(۱) تراجم علمائے حدیث ہند: ۴۰۷-۴۰۸، جھود مخلصۃ، ص: ۲۵۸-۴۰۸، ماہنامہ محدث بنارس، شیخ الحدیث نمبر (جنوری، فروری ۱۹۹۷ء)

کے لیے رجوع کیا جاسکتا ہے۔(۲)

رحمانیہ میں آپ کے زیر درس کتابیں:

فن حدیث سے شیخ صاحب کا لگاؤ اظہر من الشمس ہے، اس فن کی تدریس اور دیگر ذرائع سے آپ نے جو خدمت کی وہ محتاج بیان نہیں، حدیث کے ساتھ دوسرے فنون سے بھی آپ کی دلچسپی اور ان میں آپ کی مہارت کم نہ تھی، مرعاۃ کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کو بہتر طریقے سے جانتے ہیں، دارالحدیث رحمانیہ میں آپ کی تدریس سے متعلق جو معلومات میسر ہوئیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ آپ نے ۱۸/سال کی تدریسی مدت میں حدیث واصول حدیث کے علاوہ فقہ، اصول فقہ، اور نحو وصرف وغیرہ علوم وفنون کا درس دیا، حدیث میں صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ترمذی، سنن ابی داود، موطأ امام مالک اور بلوغ المرام، فقہ میں شرح وقایہ اولین، اور نحو میں شرح جامی کی تدریس کا آپ کے تذکرے میں ذکر ملتا ہے، جس سے اندازہ لگتا ہے کہ آپ تدریسی میدان میں علوم عالیہ کے ساتھ علوم آلیہ سے بھی مربوط تھے۔

درس کی تیاری اور طریقۂ درس:

شیخ صاحب درس کے لیے پوری طرح تیار ہوکر جایا کرتے تھے، اور اس سلسلے میں اپنی جسمانی کمزوری کی پرواہ کئے بغیر غیر معمولی محنت کرتے تھے، آپ خود فرمایا کرتے تھے کہ:

''.....رات کو مطالعہ میں اس طرح ڈوب جاتے کہ فجر کی اذان ہوجاتی تھی اور پھر نماز فجر کے بعد فورا درس بخاری شریف دینا رہتا، اس لیے سونے کے لیے کبھی موقع نہیں ملتا تھا، رات میں دوران مطالعہ بہت سے اشارے اپنی ہتھیلیوں پر لکھ لیتا تھا اور فورا نماز کے بعد درس دینا شروع کرتا تھا، اب سوچتا ہوں تو خود تعجب ہوتا ہے کہ اتنے کام کیسے انجام دیتا تھا..''۔(۳)

ظاہر بات ہے کہ مدرسہ کا وقت شروع ہونے سے پہلے ہی آپ کا درس شروع ہوتا تھا یعنی بعد نماز فجر فورا، وہ محض اس لیے کہ کتاب کے لیے مختص گھنٹیوں کا وقت آپ کے لیے ناکافی رہتا تھا، اس لیے آپ پورے بسط وتحقیق کے ساتھ درس دینے کے لیے خارجی اوقات میں پڑھاتے تھے۔

شیخ صاحب تدریس کے لیے مطالعہ، فتوی نویسی اور دیگر علمی مشاغل میں اپنا سارا وقت لگاتے تھے، دہلی میں ۲۲-۲۳ سال تک قیام کرنے کے باوجود وہاں کے لوگوں سے آپ نے راہ ورسم اور تعلقات بنانے کی کوشش نہ کی۔

شیخ صاحب کے شاگرد مولانا عبدالغفار حسن رحمانی آپ کے درس وتدریس سے متعلق فرماتے ہیں:

''استاد محترم سے راقم الحروف نے دوسرے سال میں بلوغ المرام اور ساتویں سال میں موطا امام مالک کے اسباق

---

(۲) راقم نے شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ کی حیات وخدمات پر عربی زبان میں تفصیل سے لکھنا شروع کیا تھا، مجلّہ صوت الأمۃ (بنارس) میں نومبر ۲۰۰۸ء تا جون ۲۰۰۹ء کل آٹھ قسطیں شائع ہوئیں، اللہ تعالی اس کی تکمیل کی توفیق دے۔

(۳) ماہنامہ محدث بنارس، شیخ الحدیث نمبر (جنوری، فروری ۱۹۹۷ء) ص:۲۳۱۔

پڑھے، نیز شرح جامی کا بھی کچھ حصہ ان کے پاس زیر درس رہا، مولانا موصوف تدریس کے لیے پوری طرح تیار ہوکر آتے تھے، بلوغ المرام پڑھاتے ہوئے اس کی مشہور شرح سبل السلام اور دوسرے اہم حواشی یا ان کے خلاصے بلوغ المرام کے حاشیے پر تحریر فرمایا کرتے تھے، اسی طرح موطا امام مالک پڑھاتے ہوئے ان کا ذوق حدیث اور بھی بڑھ گیا، وہ موطا کی تمام شروح مثلاً زرقانی، مسوی (عربی) مصفی (فارسی) تالیف شاہ ولی اللہ صاحب، اسی طرح دوسری شروح کا خوب مطالعہ کرتے اور موطا کے حاشیے پر اہم نقاط تحریر فرماتے، افسوس ہے کہ اس زمانے میں قلم بند کرنے کا رواج نہ تھا اور نہ ہی کیسٹیں دستیاب تھیں، اس لیے ساری اہم معلومات فضا میں منتشر ہوگئیں، لیکن اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ راقم الحروف نے بعد میں مختلف مدارس خصوصاً جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں حدیث پڑھاتے ہوئے استاد محترم کا طریقہ اپنایا..... یہ ضروری نہیں ہے کہ استاد جو کچھ بھی مطالعہ کرے یا تحریری طور پر منضبط کرے وہ سب کا سب طلبہ کے سامنے بیان کردے بلکہ بیان حسب ضرورت ہوتا ہے لیکن تحریر سے یہ فائدہ ہوتا ہے کہ ایک مسئلے کے بارے میں مختلف دلائل اور مواد یکجا مل جاتا ہے (حوالوں کے ساتھ ساتھ) بہرحال یہ بات ضمناً آگئی ہے اصل بات یہ ہے کہ مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری شیخ الحدیث کا طریقہ تدریس نہایت ہی مؤثر اور دل کش ہوتا تھا، آواز بہت پست ہوتی تھی لیکن مٹھاس میں ڈوبی ہوئی اور شفقت سے بھرپور.....''۔(۴)

ایک دوسرے مقام پر مولانا عبدالغفار حسن رحمانی فرماتے ہیں:

''میرے اساتذہ میں ایک الشیخ عبیداللہ مبارکپوری بھی تھے، یہ مشکاۃ المصابیح کی مشہور شرح مرعاۃ المفاتیح کے مؤلف ہیں، ان کے پاس میں نے بلوغ المرام مکمل اور آخری سال میں موطأ امام مالک اور نحو کی کچھ کتابیں پڑھیں، وہ نہایت باریک خط میں بلوغ المرام پر حاشیہ لکھا کرتے تھے جو احادیث کی شرح کے ساتھ جرح وتعدیل اور تخریج وتحقیق اور ظاہری تعارض کے حل پر مشتمل ہوتا، بعض اوقات راویوں کے احوال کے بارے میں بحث کیا کرتے۔

مولانا مبارکپوری فن حدیث میں بڑی وسیع معلومات رکھتے تھے، بڑی محنت، عرق ریزی اور جانفشانی کے ساتھ پڑھایا کرتے تھے، جسمانی کمزوری کے باوجود بڑے مطالعہ اور تحقیق کے ساتھ درس دیا کرتے تھے، طلبہ کو نقلی اور عقلی دلائل دے کر سبق ذہن نشین کراتے، بڑی مفید علمی معلومات جمع کرکے لاتے، مگر افسوس کہ اس وقت ان معلومات کو جمع نہ کیا جاسکا''۔

اس کے بعد مولانا عبدالغفار حسن شیخ صاحب کے طریقۂ تدریس کے بارے میں بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''سب سے پہلے طالب علم کتاب سے تین حدیث پڑھتا، پھر استاذ محترم حدیث کی تخریج کرتے، پھر سند حدیث پر بحث ہوتی، اور پھر شرح حدیث، اور اگر حدیث میں کوئی ظاہری تعارض یا مختلف فیہ مسئلہ ہوتا وہ بیان ہوتا، اور آخر میں جو مسئلہ اقرب الی الحق یعنی حق کے قریب ہوتا وہ بیان کیا جاتا، یہ تھا ان کا انداز تدریس''۔

(۴) الاعتصام لاہور، ۴؍نومبر ۱۹۹۴ء، ص ۲۰-۲۱۔

اس سوال پر کہ کیا شیخ صاحب پڑھاتے ہوئے اپنے حافظے سے کام لیتے تھے یا کسی کتاب سے مدد لیتے؟ مولانا عبدالغفار حسن فرماتے ہیں:

''اکثر و بیشتر اپنے حافظے سے مدد لیا کرتے تھے اور بعض اوقات ان حواشی سے بھی جو انہوں نے کتاب کے کناروں پر خود تحریر کیا ہوتا ان سے بھی رجوع کرتے .....''۔(۵)

مولانا عبدالغفار حسن شیخ صاحب کی وفات پر اپنے تعزیتی خط میں ان الفاظ میں آپ کے طریقۂ درس پر روشنی ڈالتے ہیں:

''.....مولانا مرحوم کا انداز تدریس ایسا تھا کہ جیسے پرسکون سمندر میں ہلکی ہلکی لہریں اٹھتی اور ابھرتی ہیں، یعنی پرجوش خطابت کے بجائے پرلطف انداز میں تفہیم کا پہلو ہوتا تھا، جیسے کسی سے خوشگوار انداز میں گفتگو کررہے ہیں، اور تدریس کا انداز دھیما تھا اور پروقار اور پرتاثیر، جس وقت میں ۲۶ء میں دارالحدیث رحمانیہ میں داخل ہوا تو مولانا مرحوم آٹھویں سال (آخری سال) میں زیر تعلیم تھے، حدیث کی دونوں کتابیں (بلوغ المرام وموطأ) انہوں نے بڑی محنت اور کاوش سے پڑھائیں، دونوں کتابوں پر حواشی باریک خط میں ان کی علمی یادگار کے طور پر آپ کے پاس موجود ہوں گے، ان کو محفوظ رکھیے .....''۔(۶)

جناب محمد مرتضی صاحب (صاحب گنج، بہار) حضرت شیخ الحدیث کی تدریس کے بارے میں اپنے تعزیتی خط میں لکھتے ہیں:

''شیخ الشیوخ حضرت شیخ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حدیث کی تدریسی خدمت بے لوث تھی، اور آپ کا بیان مختصر اور عام فہم ہوتا تھا، ساتھ ہی ساتھ مذہبی اختلافات کو مدلل بسط وتفصیل کے ساتھ ذکر فرماتے تھے، حل عبارت کے لیے جن علوم کی ضرورت ہوتی مثلاً علم صرف، نحو، علم معانی، بیان، علم تفسیر وغیرہ کو بقدر ضرورت زیر مطالعہ رکھتے تھے تاکہ حدیث کا مطلب بیان کرنے میں کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے، بنابریں آپ کی درسگاہ میں طلبہ کی بہت بھیڑ ہوتی تھی، مدرسہ رحمانیہ کے علاوہ دیگر مدارس سے بھی لڑکے بخاری شریف، ابوداود شریف، ترمذی شریف کے سبق میں حاضر ہوتے تھے، حتی کہ بعض مدارس کے صدر المدرسین، شیخ الحدیث بھی آپ کے درس میں آتے تھے، آپ کے یہاں سے فارغ شدہ عالم کو دوسروں پر فوقیت دی جاتی تھی۔

جو کتابیں آپ کے زیر مطالعہ ہوتی تھیں ان میں بین السطور بھی سیاہ پائے گئے، خصوصا بخاری شریف، ابوداود شریف، ترمذی شریف، موطأ امام مالک، یہ کتابیں جب جامعہ ملیہ بھیجی جارہی تھیں تو انہیں دیکھ کر آنکھوں سے آنسو جاری ہوگیا''۔(۷)

(۵) صراط مستقیم، برمنگھم، نومبر، دسمبر ۱۹۹۸ء، ص:۱۵۔
(۶) ماہنامہ محدث بنارس، شیخ الحدیث نمبر، ص:۳۰۔
(۷) محدث: شیخ الحدیث نمبر، ص:۸۷۔

دارالحدیث رحمانیہ سے شائع ہونے والے رسالہ محدث کے ایک شمارے میں وہاں کے طلبہ شیخ صاحب کے درس کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''جن طلبہ نے آپ کے پاس حدیث کی کتابیں پڑھیں وہ ہمیشہ آپ کی تعریفیں کرتے رہے اور آپ کی محدثانہ روش کے عاشق زار رہے، خوش قسمتی سے امسال ہماری بخاری شریف اور ترمذی شریف وغیرہ اہم کتب احادیث آپ ہی کے پاس ہیں، مولانا احمد اللہ صاحب پڑتاپ گڈھی یہاں سے مستعفی ہوگئے ہیں، لیکن بخدا ہمیں تو اب ان کتابوں کو مولانا عبید اللہ صاحب کے پاس پڑھنے میں وہ لطف حاصل ہورہا ہے کہ ہم بیان نہیں کرسکتے، علمی تحقیق، نکات حدیث، تطبیق احادیث، شرح احادیث اور ادق فنون حدیث میں جو خداداد ملکہ آپ کو ہے اس زمانہ میں بہت کم کسی کو ہوگا، پڑھاتے وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا ایک دریا موجیں مار رہا ہے، آپ کی وسیع معلومات وغیر معمولی قابلیت نے ہمارے دلوں پر سکہ جما لیا ہے، یقیناً اس جامع عظیم درسگاہ کے لیے ایسے ہی لائق وفائق شیخ الحدیث کی ضرورت بھی تھی''۔(۸)

شیخ صاحب کے تلامذہ کے علاوہ دوسرے قدردانوں نے بھی آپ کے طریقۂ درس کو سراہا ہے، چنانچہ مولانا ابو یحییٰ خاں نوشہروی لکھتے ہیں:

''.....مولوی عبید اللہ صاحب (مدرس دارالحدیث رحمانیہ دہلی) جن کے تفقہ فی الحدیث کا اس نوعمری میں یہ عالم ہے کہ جب درس حدیث پر بیٹھتے ہیں تو سند ومتن دونوں کے عقدے کھول کر رکھ دیتے ہیں، یعنی کھرا اور کھوٹا الگ کر دکھایا اور فقاہت حدیث کے رازہائے سربستہ آشکارا کرتے جاتے ہیں.....''۔(۹)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی شیخ صاحب کی وفات پر اپنے تعزیتی خطاب میں لکھتے ہیں:

''جب مولانا دہلی میں تدریس حدیث کے مبارک مشغلہ میں مشغول تھے تو درس میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، اس درس کو سن کر بہت مسرت ہوئی اور مرحوم کی فضیلت علمی ووسعت نظر اور فن پر عبور کا اندازہ ہوا، وہ ہمارے ساتھ ایک مرتبہ نظام الدین کے تبلیغی مرکز میں بھی تشریف لے گئے اور حضرت مولانا محمد الیاس صاحب سے بھی ملاقات کی''۔(۱۰)

اللہ رب العزت شیخ صاحب کو غریق رحمت کرے اور درس وتدریس سے وابستہ حضرات کے لیے مذکورہ بالا حقائق کو درس عبرت بنائے، آمین۔

☆☆☆

(۸) رسالہ محدث دہلی: فروری ۱۹۳۸ء، ص:۳، بحوالہ: ماہنامہ محدث، بنارس: شیخ الحدیث نمبر، ص:۳۰۸-۳۰۹۔

(۹) تراجم علمائے حدیث ہند، ص:۴۰۸۔

(۱۰) ماہنامہ محدث، بنارس: شیخ الحدیث نمبر، ص۲۱۔

جنازہ کے احکام ومسائل

تحریر: شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ ترجمہ: عبدالباسط فہیم

امام العصر شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے آئے دن پیش آنے والے مسائل پر چھوٹے چھوٹے مگر بے حد مفید رسالے قلمبند کئے ہیں، انہیں رسالوں میں سے یہ رسالہ بھی ہے جو میت کی تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ سے متعلق ہے، موضوع کی اہمیت وضرورت کے پیش اسے قارئین کی خدمت میں پیش کیا جاتا ہے۔ (ادارہ)

میت کی تجہیز وتکفین وراس کی نماز جنازہ، اور تدفین

اس کی تفصیل آپ کی خدمت میں حاضر ہے:

جو شخص موت کے قریب ہوا سے نبی ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان کی بنا پر '' لا اله الا الله '' پڑھنے کی تلقین کرنی چاہئے:

(لقنوا موتاكم بـ لا إله إلا الله) اپنے مردوں کو ''لا الہ الا اللہ'' پڑھنے کی تلقین کرو۔

اس حدیث کو امام مسلم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے، اس حدیث میں '' مردوں '' سے مراد: وہ افراد ہیں جو قریب المرگ ہوں، یعنی کہ جن پر موت کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں۔

جب اس کی موت کا یقین ہو جائے تو اس کی آنکھیں بند کر دی جائیں اور اس کے دونوں جبڑے باندھ دیئے جائیں، اس لئے کہ حدیث شریف میں ایسے ہی آیا ہے۔

مسلمان میت کو غسل دینا واجب ہے، الا یہ کہ مرنے والا شہید ہو معرکہ میں فوت ہوا ہو تو اسے نہ تو غسل دیا جائیگا اور نہ ہی اس کی نماز جنازہ پڑھی جائیگی، بلکہ اسے اپنے لباس ہی میں دفن کر دیا جائے گا، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احد کے شہدا کو نہ تو غسل دیا اور نہ ہی انکی نماز جنازہ پڑھی۔

میت کو غسل دینے کا طریقہ: یہ ہے کہ اس کی شرمگاہ کو ڈھانپ دیا جائے، پھر اسے تھوڑا سا اوپر اٹھایا جائے اور اس کے پیٹ کو نرمی سے دبا دیا جائے، اس کے بعد غسل دینے والا اپنے ہاتھ پر کسی کپڑے کا ٹکڑا یا اس جیسی کوئی چیز لپیٹ لے اور اس سے میت کی نجاست زائل کرے، پھر اسے نماز کی وضو کی طرح وضو کرائے، پھر اس کے سر اور داڑھی کو پانی اور بیری کے پتوں یا اس جیسی کسی چیز سے دھوئے، پھر اس کے دائیں جانب دھوئے اور پھر بائیں جانب، پھر اسی طرح اسے دوسری اور تیسری بار غسل دے ہر بار اپنا ہاتھ اسکے پیٹ سے گزارے، اگر پیٹ سے کوئی چیز نکلے تو دھوڈالے، پھر اس کی شرمگاہ کو روئی یا اس جیسی کسی چیز سے بند کر دے، اگر گندگی نکلنے کا سلسلہ نہ رکے تو اسے خالص مٹی (جس میں ریت وغیرہ کی ملاوٹ نہ ہو) سے یا جدید طبی وسائل سے بند کر دے جیسے گوند وغیرہ، اور (پھر) میت کو دوبارہ وضو کرائے۔

اگر تین بار غسل دینے سے صفائی نہیں ہوئی تو اسے پانچ مرتبہ یا سات مرتبہ غسل دے، پھر اسے کپڑے سے پونچھ دے، اسکی بغلوں اور اعضاء سجدہ پر خوشبو لگائے اور اگر اس کے سارے جسم پر خشبو لگائے تو یہ بہتر ہے، اس کی کفن کی چادروں کو دھونی دے کر خوشبودار بنائے، اگر اس کی موچھیں اور ناخن بڑھے ہوئے ہوں تو کاٹ دے، اور اگر انہیں (ان کی حالت پر) چھوڑ دے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

میت کے بالوں میں کنگھی نہ کرے اور نہ ہی اسکے زیر ناف بال صاف کرے اور نہ ہی اسکا ختنہ کرے، اس لئے کہ اس کی کوئی دلیل نہیں ہے، اور عورت کے بالوں کی تین مینڈھیاں بنا کر انہیں اس کے پیچھے لٹکا دیا جائے۔

میت کی تکفین: بہتر یہ ہے کہ مرد کو تین سفید چادروں میں کفن دیا جائے اور ان میں نہ تو قمیص ہو اور نہ پگڑی، جس طرح نبی ﷺ کے ساتھ کیا گیا، میت کو ان چادروں میں اچھی طرح لپیٹ دیا جائے اور اگر اسے قمیص، اور تہبند اور ایک چادر میں کفن دیا جائے تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔

عورت کو پانچ کپڑوں (قمیص، ڈوپٹہ، تہبند، اور دو چادروں) میں کفن دیا جائے، مرد وعورت میں سے ہر ایک کے حق میں واجب ایک کپڑا ہے جو میت کے سارے جسم کو ڈھانپ لے۔

میت اگر حالت احرام میں ہو تو اسے پانی اور بیری کے پتوں سے غسل دیا جائے، اسے اس کے (احرام والے) تہبند اور چادر میں یا ان کے علاوہ دیگر چادروں میں کفن دیا جائے، اور اس کے سر اور چہرے کو نہ ڈھانپا جائے اور نہ ہی اسے خوشبو لگائی جائے، اس لئے کہ وہ روز قیامت میں اسی طرح اٹھایا جائے گا کہ وہ تلبیہ کہہ رہا ہوگا، جیسا کہ یہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اگر حالت احرام میں فوت ہونے والی عورت ہو تو اسے دیگر عورتوں کی طرح کفن دیا جائے، لیکن اسے نہ تو خوشبو لگائی جائے اور نہ ہی اسکا چہرہ نقاب سے اور اس کے ہاتھ دستانوں سے ڈھانپے جائیں، البتہ اس کا چہرہ اور ہاتھ اس کفن سے ڈھانپ دیا جائے جس میں اسے کفنایا جا رہا ہے، جیسا کہ عورتوں کو کفنانے کے طریقہ پر مشتمل بیان پہلے گزر چکا ہے۔

چھوٹا بچہ ایک کپڑا سے لے کر تین کپڑوں تک میں کفنایا جائے، اور چھوٹی بچی ایک قمیص اور دو چادر میں کفنائی جائے۔

مرد میت کو غسل دینے، اس کی نماز جنازہ پڑھانے اور اسے دفن کرنے کا سب سے زیادہ حق دار وہ شخص ہے جس کے متعلق میت نے وصیت کی ہو، پھر باپ، پھر دادا، پھر ددھیالی رشتہ داروں میں جو جتنا زیادہ میت کے (رشتہ داری کے اعتبار سے) قریب ہو وہ اتنا ہی زیادہ حقدار ہے۔

عورت کو غسل دینے کی سب سے زیادہ حقدار وہ عورت ہے جس کے بارے میں اس نے وصیت کی ہو، پھر ماں، پھر دادی، پھر عورتوں میں سے جو جتنی زیادہ اس کے (رشتہ داری کے لحاظ سے) قریب ہوگی وہ اتنی ہی زیادہ حقدار ہوگی۔

خاوند اور بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کو غسل دے سکتا ہے، کیونکہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ کو خود ان کی بیوی نے غسل دیا اور جناب علی رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو غسل دیا۔

نماز جنازہ پڑھنے کا طریقہ: یہ ہے کہ چار تکبیریں کہے، پہلی تکبیر کے بعد سورہ فاتحہ پڑھے اور اگر اس صحیح حدیث کی بنا پر جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے سورہ فاتحہ کے ساتھ ساتھ کوئی چھوٹی سی سورت یا ایک دو آیتیں پڑھ لے تو بہتر ہوگا۔

پھر دوسری تکبیر کہے اور نبی ﷺ پر ویسا ہی درود پڑھے جیسا تشہد میں پڑھتے ہیں۔ پھر تیسری تکبیر کہے اور یوں دعا کرے:

"اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِحَيِّنَا وَمَيِّتِنَا وَشَاهِدِنَا وَغَائِبِنَا وَصَغِيْرِنَا وَكَبِيْرِنَا وَذَكَرِنَا وَأُنْثَانَا، اَللّٰهُمَ اغْفِرْ لَهُ وَارْحَمْهُ وَعَافِهِ وَاعْفُ عَنْهُ، وَأَكْرِمْ نُزُلَهُ وَوَسِّعْ مَدْخَلَهُ وَاغْسِلْهُ بِالْمَاءِ وَالثَّلْجِ وَالْبَرَدِ وَنَقِّهِ مِنَ الْخَطَايَا كَمَا يُنَقَّى الثَّوبُ الأَبْيَضُ مِنَ الدَّنَسِ وَأَبْدِلْهُ دَاراً خَيْراً مِّنْ دَارِهِ وَأَهْلاً خَيْراً مِّنْ أَهْلِهِ وَزَوْجاً خَيْراً مِّنْ زَوْجِهِ وَأَدْخِلْهُ الْجَنَّةَ وَأَعِذْهُ مِنْ عَذَابِ الْقَبْرِ وَمِنْ عَذَابِ النَّارِ"۔ (مسلم:۹۶۳)

اے اللہ! ہمارے زندوں اور مردوں کو، حاضر وغائب کو چھوٹوں اور بڑوں کو، مردوں اور عورتوں کو بخش دے، اے اللہ! میت کو بخش دے، اس پر رحم فرما، اسے عافیت میں رکھ، اسے معاف کردے، اس کی مہمان نوازی اچھی فرما، اس کی قبر کشادہ وفراخ کردے، اسے پانی، برف، اور اولوں سے دھودے، اسے گناہوں سے اس طرح پاک وصاف کردے جس طرح سفید کپڑا میل کچیل سے صاف کیا جاتا ہے، اسے اس کے (دنیا والے) گھر سے بہتر گھر اور اس کے (دنیاوی) اہل سے بہتر اہل عطا فرما، اس کے لئے اس کی قبر کشادہ فرما اور اس کیلئے اس میں نور پیدا کردے۔

اے اللہ! ہمیں اس کے اجر سے محروم نہ رکھنا اور ہمیں اس کے بعد گمراہ نہ کرنا" پھر چوتھی تکبیر کہے اور دائیں جانب ایک سلام پھیرے، جنازہ کی ہر تکبیر کے ساتھ رفع الیدین کرنا مستحب ہے۔

جب میت عورت ہو تو "اللھمّ اغفر لھا ....." (اے اللہ! اس عورت کو بخش دے.....) کہا جائے گا، جب جنازہ دو ہوں تو "اللھم اغفر لھما ..." (اے اللہ! ان دونوں کو بخش دے) کہا جائے گا، اور جب جنازے دو سے زیادہ ہوں تو "اللھم اغفرلھم" (اے اللہ! ان سب کو بخش دے) کہے۔

جب میت چھوٹا بچہ ہو تو اس کے لئے دعائے مغفرت کرنے کے بعد یہ کہا جائے گا:

" اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ فَرَطًا وَذُخْرًا لِوَالِدَيْهِ، وَشَفِيْعًا مُجَابًا، اَللّٰهُمَّ ثَقِّلْ بِهِ مَوَازِيْنَهُمَا وَأَعْظِمْ بِهِ أُجُوْرَهُمَا وَأَلْحِقْهُ بِصَالِحِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاجْعَلْهُ فِيْ كِفَالَةِ إِبْرَاهِيْمَ وَقِهِ بِرَحْمَتِكَ عَذَابَ الْجَحِيْمِ"۔ (الدروس المہمۃ لعامۃ الأمۃ للشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز رحمہ اللہ ص ۱۵۲)

"اے اللہ! اسے اس کے والدین کے لئے استقبالیہ اجر، ذخیرہ، اور ایسا سفارشی بنادے جس کی سفارش قبول ہو، اے اللہ! اس کے ذریعہ ان کے میزان کو بھاری کردے، اس کے ذریعہ ان کے اجر کو بڑھادے، اسے گزرے ہوئے مومنوں میں سے نیکوکاروں کے ساتھ ملادے، اسے ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی کفالت میں کردے، اور اسے اپنی رحمت سے جہنم کے عذاب سے بچا۔

سنت یہ ہے کہ امام مرد کے سر اور عورت کے درمیان کے مقابل کھڑا ہو، اور جب (مرد عورت کے) جنازے اکٹھے ہو جائیں تو مرد کا جنازہ امام کے قریب ہو اور عورت کا جنازہ قبلہ کی جانب ہو۔

اگر مرد عورت کے جنازوں کے ساتھ بچے بھی ہوں تو بچہ عورت سے پہلے رکھا جائے گا اور پھر عورت اور اس کے بعد بچی کو رکھا جائے، بچے کا سر مرد کے سر کے مقابل ہو اور عورت کا درمیانی حصہ مرد کے سر کے مقابل ہو اسی طرح بچی کا سر عورت کے سر کے مقابل ہو اور اس کا درمیانی حصہ مرد کے سر کے مقابل ہو۔

تمام نمازی امام کے پیچھے کھڑے ہوں گے الا یہ کہ کوئی نمازی تنہا رہ جائے اسے امام کے پیچھے جگہ نہ ملے تو وہ امام کے دائیں جانب کھڑا ہو جائے۔

میت کو دفن کرنے کا طریقہ: مشروع یہ کہ مرد کے درمیانی حصہ کے برابر تک قبر گہری کی جائے، اس میں قبلہ والی جانب لحد ہو (یعنی: قبر بغلی ہو) میت کو اسکی لحد میں اس کے دائیں پہلو پر رکھا جائے، کفن کی گرہیں کھول دی جائیں، (لیکن) انہیں باہر نہ نکالا جائے بلکہ (وہیں) چھوڑ دیا جائے، میت کا چہرا ننگا نہ کیا جائے خواہ وہ مرد ہو یا عورت، پھر اس کے سامنے کچی اینٹیں نصب کر دی جائیں اور ان پر گیلی مٹی لگا دی جائے تا کہ وہ جم جائیں اور میت کو مٹی سے محفوظ رکھیں۔

اگر کچی اینٹیں میسر نہ ہوں تو کوئی اور چیز (استعمال کر لی جائے) جیسے تختیاں، یا پتھر یا کوئی ایسی لکڑی جو میت کو مٹی سے محفوظ رکھے، پھر قبر پر مٹی ڈال دی جائے اور اس وقت یہ کہنا مستحب ہے:

" بِسْمِ اللّٰهِ وَعَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ "۔

''اللہ کے نام سے اور رسول اللہ ﷺ کے دین پر (دفن کر رہے ہیں)''

قبر ایک بالشت کے برابر اونچی بنائی جائے، اور اگر ہو سکے تو اس پر چھوٹی چھوٹی کنکریاں ڈال دی جائیں، نیز پانی کا چھڑکاؤ کر دیا جائے۔

میت کو الوداع کہنے والوں کے لئے یہ مشروع ہے کہ وہ قبر کے پاس کھڑے ہوں اور میت کے لئے دعا کریں: اس لئے کہ نبی ﷺ جب میت کی تدفین سے فارغ ہوتے تو اس کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے: ''اپنے بھائی کے لئے (اللہ تعالی سے) مغفرت طلب کرو، اور اس کے لئے ثابت قدمی کا سوال کرو، اس لئے کہ اب اس سے سوال وجواب ہوں گے۔

جو شخص کسی میت کا نماز جنازہ نہ پڑھ سکا ہو تو اس کے لئے یہ مشروع ہے کہ تدفین کے بعد اس کا نماز جنازہ پڑھ لے، کیونکہ نبی ﷺ نے ایسا کیا ہے، بشرط یہ ایک مہینہ یا اس سے کم عرصہ کے دوران ہو، اگر ایک مہینہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا ہو تو قبر پر نماز جنازہ پڑھنا مشروع نہیں ہے: کیونکہ یہ نبی ﷺ سے منقول نہیں کہ آپ نے کسی قبر پر میت کے دفن ہونے کے ایک مہینہ بعد جنازہ پڑھا ہو۔

میت کے اہل وعیال کے لئے جائز نہیں کہ وہ لوگوں کے لئے کھانا تیار کریں، اس لئے کہ جلیل صحابی جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''ہم تدفین کے بعد میت کے اہل وعیال کے ہاں جمع ہونے اور کھانا تیار کرنے کو نوحہ شمار کرتے تھے۔

اس روایت کو امام احمد نے حسن سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔

البتہ میت کے اہل وعیال یا ان کے مہمانوں کے لئے کھانا تیار کرنے میں کوئی حرج نہیں، (بلکہ) میت کے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے لئے یہ مشروع ہے کہ وہ ان کے لئے کھانا تیار کریں، اس لئے کہ جب نبی ﷺ کے پاس جناب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے شام میں فوت ہونے کی خبر آئی تو آپ نے اپنے اہل کو حکم دیا کہ وہ جعفر رضی اللہ عنہ کے اہل وعیال کیلئے کھانا تیار کریں اور فرمایا:

یقیناً ان کے پاس ایسی خبر آئی ہے جس نے انھیں (کھانا پکانے) سے غافل کر دیا'' میت کے اہل وعیال (اگر) اپنے پڑوسیوں یا کسی اور کو اس کھانے میں سے جو انہیں بطور ہدیہ دیا گیا ہے کھانا کھانے کی دعوت دیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، اور ہمارے علم کے مطابق شریعت میں اس کے لئے کوئی وقت متعین نہیں ہے۔

عورتوں کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ خاوند کے علاوہ تین دن سے زیادہ سوگ منائیں، الا یہ کہ فوت ہونے والا شخص کسی عورت کا خاوند ہو، تو اس صورت میں اس پر واجب ہے کہ وہ چار مہینہ دس دن تک اس کا سوگ منائے، الا یہ کہ وہ حاملہ ہو تو پھر وضع حمل تک سوگ منانا ہوگا: اس سنت صحیحہ کی وجہ سے جو اس کے بارے میں نبی ﷺ سے ثابت ہے۔

البتہ مردوں کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے کسی رشتہ دار یا کسی اور کا سوگ منائیں۔ مردوں کے لئے یہ مشروع ہے کہ وقتاً فوقتاً قبروں کی زیارت کرتے رہیں، تاکہ وہ قبر والوں کے لئے دعا کریں، ان کے لئے رحمت طلب کریں اور موت اور اس کے بعد (پیش آنے والے احوال) یاد کریں، اس لئے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: ''قبروں کی زیارت کیا کرو، کیونکہ یہ تمہیں آخرت یاد دلاتی ہیں'' اس حدیث کو امام مسلم نے اپنے صحیح میں روایت کیا ہے۔

نبی ﷺ اپنے صحابہ کرام کو اس بات کی تعلیم دیا کرتے تھے کہ وہ جب قبروں کی زیارت کریں تو یوں کہیں:

" اَلسَّلَامُ عَلٰى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُسْلِمِيْنَ يَرْحَمُ اللّٰهُ الْمُسْتَقْدِمِيْنَ مِنَّا وَالْمُسْتَاخِرِيْنَ وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُوْنَ".

''ان گھروں میں رہنے والے مومنو اور مسلمانو! تم پر سلامتی ہو، اگر اللہ نے چاہا تو ہم تم سے ملنے والے ہیں، اللہ تعالی ہم میں سے آگے چلے جانے والوں اور پیچھے رہ جانے والوں (دونوں) پر رحم فرمائے''۔

عورت کے لئے قبر کی زیارت مشروع نہیں ہے: اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے، نیز اس لئے بھی کہ ان کی زیارت سے فتنہ کا اندیشہ رہتا ہے اور ان میں صبر بھی کم ہوتا ہے۔

اس طرح عورتوں کا قبرستان تک جنازے کے پیچھے جانا بھی ناجائز ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، البتہ مسجد یا عیدگاہ میں میت کا نماز جنازہ پڑھنا مرد وعورت میں سے ہر ایک کے لئے مشروع ہے۔

یہیں پہ اختتام کرتا ہوں ان (حروف) کا جنہیں احاطہ تحریر میں لانا ممکن ہو سکا، اللہ کا صلاۃ وسلام ہو ہمارے نبی محمد ﷺ پر، آپ کی آل پر اور آپ کے صحابہ کرام پر۔

☆☆☆

شیخ الحدیث مولانا عبیداللہ صاحب مبارکپوری کے جواب پر تعاقب

مولانا محمد مستقیم سلفی

دربارترجیح سندزیاد بن ابی الجعد از امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ

ازمولانا عبدالجبار صاحب کھنڈیلوی مدرس دارالعلوم احمدیہ سلفیہ دربھنگہ (بہار)

حضرات ناظرین! ایک رسالہ ''مصباح'' ماہنامہ موضع ششہنیاں ضلع بستی سے شائع ہوتا ہے، ماشاءاللہ یہ ایک علمی رسالہ ہے، جس میں جہاں اور مضامین علمیہ شائع ہوتے ہیں وہاں خصوصیت سے مولانا شیخ الحدیث عبیداللہ رحمانی فاضل مبارکپوری کے علمی مضامین بھی شائع ہوتے ہیں، چنانچہ آج رسالہ مصباح مجریہ ماہ جنوری ۵۲ء میری نظر سے گذرا اس میں ایک مذاکرہ علمیہ مولانا شیخ الحدیث عبیداللہ صاحب رحمانی مبارکپوری کا دیکھا، ماشاءاللہ مولانا موصوف نے ایک سائل کا جواب دیتے ہوئے اس پر علمی روشنی ڈالی ہے، سائل نے سوال کیا کہ جامع ترمذی باب ما جاء في الصلوة خلف الصف وحده کے تحت امام ترمذی نے حدیث حضرت وابصہ بن معبد کی دوطریق سے روایت کی ہے اوران میں سے ایک طریق کو دوسرے پران الفاظ میں ترجیح دی ہے: وهذا عندي أصح من حديث عمرو بن مرة لأنه قد روى من غير حديث هلال بن يساف عن زياد بن أبي الجعد عن وابصة۔ اس وجہ ترجیح کی توضیح کی ضرورت ہے، اس سے طریق اول کا دوسرے پر رجحان کیونکر ثابت ہوا، تحفۃ الاحوذی ج ا ص ۱۹۵ میں اس مقام کی توضیح نہیں کی گئی۔

سائل: مولوی احمداللہ رحمانی بنگالی

اس کا جواب مولانا شیخ الحدیث موصوف نے بسط سے دیا ہے، ناظرین رسالہ مصباح مجریہ جنوری ۵۲ء مطالعہ کریں، لیکن ہمارے شیخ الحدیث محترم سے اس میں چند مسامحات ہوگئے ہیں، ان کا مختصر طور سے بیان ضروری خیال کرتا ہوں کہ محترم اس پر نظر ثانی فرمائیں، اگر میری ہی سمجھ کی غلطی ہو تو مجھ کو متنبہ فرمائیں، ما أريد إلا الاصلاح وما توفيقي إلا بالله العزيز۔ مولانا موصوف وجہ اصحیت پر کلام کرتے ہوئے عبارت ترمذی کی ترکیب نحوی بیان کرتے ہیں، چنانچہ آپ فرماتے ہیں: ''اس عبارت میں حدیث کے اعراب میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ حدیث کو ہلال بن یساف کی طرف مضاف کرکے من غیر حدیث ہلال بن یساف پڑھا جائے، اس صورت میں روی فعل مجہول کا مفعول مالم یسم فاعلہ عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصۃ ہوگا اور مطلب ہوگا کہ حصين عن هلال بن يساف عن زياد بن أبي الجعد عن وابصة کے ارجح واصح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ہلال کی حدیث طریق مذکور کے علاوہ بعض دوسرے طرق میں بھی عن زیاد عن وابصہ آیا ہے، یعنی زیاد کو وابصہ کا شاگرد بتانے میں ہلال منفرد نہیں ہے بلکہ بعض دوسرے رواۃ نے تابعی کا نام زیاد بتانے میں ہلال کی متابعت وموافقت کی ہے اور وہ متابع یزید بن زیاد عن عبید بن ابی الجعد ہیں جیسا کہ گذر چکا، اور عمرو بن راشد کا واسطہ بتانے میں عمرو بن مرہ کا ہلال کا کوئی متابع نہیں ہے۔ ابن

حبان لکھتے ہیں: ليس هذا الخبر مما تفرد به هلال بن يساف ثم ذكر حديث يزيد بن زياد عن عمه عبيد بن أبي الجعد عن زياد بن أبي الجعد عن وابصة۔ اس پر بچند وجوہ کلام ہے۔

اولا یہ کہ امام ترمذی کی عبارت میں لفظ لأنه روی مروی ہے اور ضمیر انہ کی ماقبل کی طرف راجع ہے اور ماقبل اس کے عمرو بن مرہ ہے، پس ضمیر انہ کا مرجع عمرو بن مرہ ہے، پس ضمیر انہ کا مرجع بھی عمرو بن مرہ ہوگا اور لفظ روی خبر ان ہے اور اسم اس کا وہ ضمیر ہے جو لأن کے متصل ہے، پس اس صورت میں روی کو بصیغۂ مجہول پڑھنا اور عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ کو نائب فاعل یعنی مفعول مالم یسم فاعلہ بتانا صحیح نہیں، کیونکہ جو جملہ خبر واقع ہوتا ہے اس میں ضمیر کا ہونا اس کے اسم کی طرف ایک قانون ہے، کیونکہ جملہ من حیث الجملۃ مستقل ہوتا ہے، لہذا اس میں ربط کا ہونا ضروری ہے، پس مولانا محترم کا روی کو بصغیۂ مجہول پڑھنا اور عبارت عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ کو مفعول مالم یسم فاعلہ بتانا صحیح نہیں ہے، فافهم وتدبر.

ثانیا اگر روی کا مفعول مالم یسم فاعلہ عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ کو بنایا جائے گا تو اختلاف مابین اسم وخبر لازم آئے گا اور حالانکہ خبر دراصل ایک صفت اسم ہوتی ہے اور صفت موصوف شئی واحد ہوتے ہیں۔

ثالثا اکثر جار مجرور متعلق فعل یا شبہ فعل یا معنی فعل ہوتے ہیں، اس کو نائب فاعل بتانا صرف عن الظاہر ہے، گو بعض اوقات جار ومجرور نائب فاعل ہوتے ہیں، جبکہ الفاظ مراد ہوں، مگر یہاں پر متعلق جار مجرور فعل موجود ہے اور وہ روی ہے جس کی صحیح ترکیب ہم ان شاءاللہ بیان کریں گے، سيجيء بعد ذلك.

دوسرا احتمال ترکیب نحوی کا آپ یہ پیدا کرتے ہیں کہ حدیث کو مضاف نہ کہا جائے بلکہ اس کو یوں منون پڑھا جائے: لأنه قد روى من غير حديث هلال بن يساف عن زياد عن وابصة۔ اس صورت میں روی کا مفعول مالم یسم فاعلہ ہلال ین یساف ہوگا اور مطلب یہ ہوگا کہ کئی طریق سے ہلال عن زیاد عن وابصہ مروی ہے۔ یعنی ابوالاحوص جو تلمیذ ہیں حصین کے ہلال سے اوپر زیاد کو ذکر کرنے میں منفرد نہیں ہیں بلکہ ان کے چار متابع موجود ہیں، اس کے متعلق ہم مولانا سے اتنا عرض کرتے ہیں کہ اولا تو لفظ حدیث کو منون پڑھنا مع قطع الاضافت پر کوئی قرینہ ہونا چاہئے، یہ صرف عن الظاہر ہے، دوسرے اس سے لازم آتا ہے روی کا نائب فاعل ایک ذات مشخص ہے، اور یہ خلاف محاورہ عرب ہے، اکثر روی کا اطلاق حدیث وطریق وسند پر ہوتا ہے نہ کسی ذات مشخص پر، فلا يقال روي زيد بل يقال روي عن زيد أو روي هذا السند من طريق فلان وغيره۔ پس روي بصیغۂ مجہول پڑھنا اور ہلال بن یساف کو نائب فاعل روی کا بتانا صحیح نہیں ہے، پس اب ہم وجہ اصحیت کو اپنے مختصر الفاظ میں بیان کرتے ہیں، امید ہے کہ مولانا موصوف اس میں غور فرمائیں گے۔

امام ترمذی نے وجہ اصحیت کو اپنے ان الفاظ میں بیان کیا ہے جس کو ہم مع تشریح عرض کرتے ہیں: قال أبوعيسى الترمذي إن هذا المذكور أي حديث زياد بن أبي الجعد أصح عندي من حديث عمرو بن مرة لأنه أي عمرو بن مرة قد روى بصيغة المعلوم من غير حديث هلال بن يساف عن زياد بن أبي الجعد عن وابصة فلفظ روى في كلام الترمذي بصيغة المعلوم لا بصيغة المجهول ولفظ عن زياد متعلق

بروى المذكور وفاعل روى عمرو بن مرة فرجح الإمام الترمذي هذا أي حديث زياد بن أبي الجعد على حديث عمرو بن راشد لأنه روي من طريقين أي طريق حصين عن هلال بن يساف عن زياد بن أبي الجعد عن وابصة وطريق عمرو بن مرة عن هلال بن يساف عن زياد بن أبي الجعد عن وابصة وحديث عمرو بن راشد روى من طريق واحد أي عمرو بن مرة فقط لا متابع له فالحديث الذي روي من طريقين أصح وأرجح من حديث الذي روي من طريق واحد فهذا وجه الترجيح عند الإمام الترمذي وبيّن الإمام الترمذي بعد ذلك هذين الطريقين بالسندين.

اس عبارت کا خلاصہ ترجمہ یہ ہے کہ امام ترمذی ابوعیسی فرماتے ہیں کہ حدیث زیاد بن ابی الجعد میرے نزدیک راجح ہے، حدیث عمرو بن راشد سے اس لیے کہ عمرو بن مرہ نے روایت کی ہے، غیر طریق ہلال بن یساف کے زیاد بن ابی الجعد سے بطریق وابصہ صحابی پس امام ترمذیؒ کے کلام میں لفظ روی صیغہ معلوم کا ہے نہ کہ مجہول کا اور جار عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ کا تعلق روی سے ہے اور فاعل روی کا عمرو بن مرہ ہے، پس خلاصہ کلام یہ ہوا کہ حدیث زیاد بن ابی الجعد دو طریق سے مروی ہے، ایک طریق حصین عن ہلال بن یساف عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ اور دوسرا طریق عمرو بن مرہ عن ہلال بن یساف عن زیاد بن ابی الجعد عن وابصہ اور حدیث عمرو بن راشد کا صرف ایک طریق ہے، عمرو بن مرہ فقط اس کا کوئی متابع نہیں ہے، پس جس حدیث کے دو طریق ہوں وہ راجح ہے، اس حدیث سے جس کا ایک ہی طریق ہو، یہ ہے وجہ اصحیت امام ترمذی کی، پھر امام ترمذی نے ہر دو طریق کو بیان کیا ہے اور اسی وجہ ترجیح کو میں نے حضرت شیخنا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کی تھی، جبکہ آپ دہلی تشریف لائے تھے اور میں نے مولانا مرحوم سے کہا تھا کہ آپ نے اس مقام پر کچھ نہیں لکھا، حالانکہ یہ جگہ لکھنے کی تھی، چنانچہ مولانا انور شاہ کشمیری دیوبندی حنفی نے بھی اپنی تقریر العرف الشذی میں اس کا ذکر کیا ہے تو مولانا نے فرمایا تھا کہ ہمارا خیال اس طرف نہیں گیا، مگر ہم نے اس کی طرف اشارہ کر دیا ہے کہ فعل روی کو ہم نے معروف لکھا ہے، اس پر اعراب ہم نے دے دیا ہے، اور ناظرین یہ روایتیں دونوں صحیح ہیں کسی میں اضطراب وغیرہ نہیں ہے، كما رواه ابن حبان بالاسنادين المذكورين فلا بعد في كونهما صحيحين بأن يكون هلال أخذ عن زياد بن أبي الجعد وعمرو بن راشد كليهما وأخذ عمرو بن مرة وحصين كلاهما عن هلال بن يساف۔ یہ وجہ ترجیح واصحیت میرے نزدیک ہے، اگر کسی صاحب کو کوئی اعتراض ہو تو بذریعہ اخبار الہدی یا الاعتصام جو پاکستان سے جاری ہے مطلع فرمائیں۔ یہ ایک علمی مذاکرہ ہے، ہم مولانا عبیداللہ صاحب رحمانی کے بہت ہی مشکور ہیں کہ آپ نے اس قسم کے مذاکرات علمیہ پیش کر کے قوم میں ایک علمی بیداری پیدا کی، آہ آج علمی مذاق علمائے اہل حدیث میں فن حدیث کے متعلق نہیں رہا، اکثر ہمارے مدرسین کی تعلیم سطحی طریق پر ہوتی ہے، مفہوم کتاب کو نہیں سمجھتے ہیں، خدائے تعالیٰ شیخنا مولانا عبدالرحمٰن صاحب محدث مبارکپوری مرحوم کی قبر کو نور سے بھر دے جو اس دور میں ترمذی کی شرح مسمی بہ تحفۃ الاحوذی ہمارے ہاتھوں میں دے گئے، فقط۔☆ (جاری)

ماہ رمضان، احتساب کا مہینہ

عبدالغفار سلفی

اللہ تبارک وتعالیٰ کے مظاہر رحمت میں سے ایک عظیم مظہر ماہ مقدس ماہ رمضان ہم پر سایہ فگن ہو چکا ہے، یہی وہ بابرکت مہینہ ہے جس میں انسانیت کے لیے ہدایت کا آخری اور لافانی پیغام قرآن کریم نازل ہوا، ارشاد ربانی ہے:

﴿شهر رمضان الّذی أنزل فيه القرآن هدى للناس وبيناّ ت من الهدى والفرقان﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''ماہ رمضان وہ ہے جس میں قرآن اتارا گیا ہے جو لوگوں کو ہدایت کرنے والا ہے اور جس میں ہدایت کی اور حق وباطل میں تمیز کرنے کی نشانیاں ہیں''۔

اس ماہ عظیم میں ہمارے نفوس کی تربیت کے لیے، انہیں تقوی کا عادی بنانے اور شہوت نفسانیہ سے ہمیں دور کرنے کے لیے صوم (روزہ) جیسی اہم عبادت فرض قرار دی گئی جس کی فرضیت کا اولین اور اہم ترین مقصد ہی یہی بتلایا گیا کہ ہم تقوی شعار ہو جائیں، فرمان الٰہی ہے:

﴿يا أيها الذين آمنو كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون﴾ (البقرۃ:۱۸۳) ''اے ایمان والو! تم پر روزے رکھنا فرض کیا گیا ہے جس طرح تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، تاکہ تم تقویٰ اختیار کرو''۔

اس مہینے میں ایک طرح سے عبادت کی مشق (Practice) کرانے کے لئے تراویح یا قیام اللیل مسنون قرار دیا گیا اور جس کا اجر عظیم ایک حدیث میں یوں بیان کیا گیا ہے:

عن أبى هريرة أن رسو ل الله صلى الله عليه وسلم قال من قام رمضان ايما نًا واحتسابًا غفر له ما تقدّم من ذنبه ۔ (صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب تطوع قيام رمضا ن من الأ يمان)

''سیدنا ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص رمضان میں ایمان اور ثواب کی نیت کے ساتھ قیام کرے، اس کے اگلے گناہ معاف کردئے جائیں گے''۔

اس ماہ مقدس کی عظیم برکتوں کو پانے کے باوجود اگر ہم محرومی کا شکار ہیں تو یہ ہماری بدقسمتی اور بدبختی کی بین دلیل ہوگی، ایسے شخص کی محرومی بیان کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"رغم أنف رجل دخل عليه رمضان ثم انسلخ قبل أن يغفر له۔ (صحیح الترمذی حدیث نمبر:۲۸۱۰)

''اس شخص کی ناک خاک آلود ہو جس کے اوپر رمضان آنے بعد چلا گیا اور اسکی مغفرت نہ ہوسکی ہو''۔

اس ماہ مقدس میں ایک رات وہ بھی ہے جسے قرآن عظیم نے ''لیلۃ القدر'' کے نام سے موسوم کیا ہے اور جس کا اجر خود مالک حقیقی بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے:

إنا انزلناه فی لیلة القدر وما أدراك ما لیلة القدر لیلة القدر خیر من ألف شهر (القدر:۱تا۳)
یقیناً ہم نے اسے (قرآن کو) شب قدر میں نازل فرمایا، تو کیا سمجھا کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ایک ہزار مہینوں سے بہتر ہے''۔

اس عظیم رات میں عبادت کے اجر وثواب پانے کا شوق ہو تو اسے ماہ مقدس کے آخری عشرے میں تلاش کیجئے، رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

"فمن کا ن متحرّیها فلیتحّریها فی السبع الأواخر" (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب التماس لیلة القدر فی السبع الأ واخر)

''جسے لیلۃ القدر کی تلاش وجستجو ہو اسے چاہئے کہ اسے رمضان کی آخری سات راتوں میں تلاش کرے''۔

اسلامی بھائیو! ماہ مقدس آچکا ہے، رحمتوں اور برکتوں کا نزول شب وروز ہو رہا ہے، اگر ہم پھر بھی رحمت الٰہیہ سے خود کو محروم رکھیں، فسق وفجور کے بازار گرم رکھیں، فرائض ونوافل کا اہتمام نہ کریں تو یقیناً ہم سے بد بخت کوئی نہ ہوگا۔

رمضان کے ہی مقدس مہینے میں اعتکاف جیسی عبادت بھی مشروع کی گئی، جس میں بندہ ایک مخصوص مدت تک صرف اپنے مالک سے لو لگائے رہتا ہے اور ساری دنیا سے کٹ جاتا ہے، سیدنا عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں:

کان رسول الله صلّی اللّه علیه وسلّم یعتکف العشرالأواخر من رمضان۔ (صحیح البخاری، کتاب الاعتکاف، باب الاعتکاف فی العشر الأواخر والاعتکا ف فی المسجد کلّها)۔

یعنی اللہ کے رسول ﷺ رمضان کے آخری عشرے میں اعتکاف فرماتے تھے۔

یعنی ایک طرح سے ماہ رمضان کی شکل میں نیکیوں کی ایک فصل آتی ہے، ثواب کمانے کے لیے موسم بہار آتا ہے، اب یہ ہم پر موقوف ہے کہ ہم اس کا کس قدر فائدہ اٹھا پاتے ہیں، بالخصوص رمضان کے آخری عشرے میں تو ہمیں عبادات صیام وقیام کے لیے اور زیادہ اور مستعد ہونا چاہیے، اماں عائشہؓ نبی کریم ﷺ کا معمول بیان کرتے ہوئے کہتی ہیں:

إذا دخل العشر أحیا اللیل، وأیقظ أهله، وجدّ وشدّ المئزر۔ (صحیح البخاری، کتاب الصوم، باب العمل فی العشر الأواخر من رمضان)

"جب رمضان کا آخری عشرہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم شب بیداری کرتے، اپنے اہل وعیال کو بھی جگاتے اور (عبادت کے لیے) کمر کس لیتے''۔

اسلامی بھائیو! سال کے گیارہ مہینے اگر ہم رب کی نافرمانی میں گزارے، اس کے احکام وفرامین کی خلاف ورزی میں گزارے تو بھی ہمیں مایوس ہونے کی ضرورت نہیں۔ اس ماہ مقدس میں ہم اپنے رب سے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لیں، اس کی بارگاہ میں رو رو کر اپنے گناہوں کی مغفرت کرالیں اور اپنی آئندہ زندگی کو اللہ اور اس کے رسول کے طریقے پر گزارنے کا عزم مصمم کرلیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

☆☆☆

عقیقہ کے احکام

عبدالاحد احسن جمیل/ مدینہ منورہ

اسلام کے محاسن اور اس کے خصائص میں سے ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ زندگی کے ہر مرحلہ سے متعلق اس میں ہدایات اور رہنمائی موجود ہے، زندگی کا سب سے پہلا مرحلہ عہد طفولیت، بچپن سے متعلق حدیث وفقہ کی کتابوں میں تفصیل سے احکام موجود ہیں، انہی احکام میں عقیقہ کے احکام بھی ہیں۔

عقیقہ کی لغوی تعریف: عقیقہ لغت میں کاٹنے کو کہتے ہیں

اور شرع کی اصطلاح میں: نومولود کی جانب سے اسکی پیدائش کے ساتویں دن ذبح کئے جانے والے جانور کو عقیقہ کہتے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نومولود کی جانب سے جو جانور ذبح کیا جاتا ہے اسی کا نام عقیقہ ہے۔(فتح الباری: ۵۰۰/۹)، اور اسی کے مثل امام شوکانی رحمہ اللہ نے نیل الأوطار کے اندر ذکر کیا ہے۔(نیل الأوطار: ۵۱۷/۹، مع تحقیق: محمد صبحی حسن حلاق) اور کہتے ہیں کہ: عقیقہ عق سے مشتق ہے، اور عق کاٹنے کو کہتے ہیں۔

اور عقیقہ کو عقیقہ اس لیے کہتے ہیں کونکہ اس میں جانور ذبح کیا جاتا ہے، اور عقیقہ کا اطلاق نومولود کے سر کے بال پر بھی ہوتا ہے، اور زمخشری نے کہا ہے کہ یہی اصل ہے، اور بکرہ (یعنی جانور کا ذبح کرنا) اسی سے مشتق ہے۔(نیل الأوطار: ۵۱۷/۹)

عقیقہ کی مشروعیت:

امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: عقیقہ کا معاملہ ہمارے نزدیک یہ ہے کہ: جو عقیقہ کرے تو اسے چاہئے کہ بچی اور بچے دونوں کی جانب سے ایک ایک جانور ذبح کرے، اور عقیقہ واجب نہیں ہے بلکہ اس کا کرنا ایک مستحب امر ہے، اور لوگ برابر اس پر عامل ہیں۔(موطأ امام مالک: ۴۱۹/۱)

اور امام ابن قیم جوزیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: عقیقہ ایک ایسی سنت ہے جس میں ہمارے یہاں کوئی اختلاف نہیں۔

اور یحییٰ بن سعید انصاری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ: میں نے لوگوں کو پایا کہ وہ بچہ اور بچی کا عقیقہ کرنا کبھی نہیں چھوڑتے تھے۔

اور امام ابن المنذر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: حجاز میں ماضی اور حال کے دور میں اس پر برابر عمل ہے، اور علماء نے اس کا فتوی دیا ہے، اور امام مالک نے ذکر کیا کہ اس کے مستحب ہونے میں ان کے یہاں کوئی اختلاف نہیں، اور مزید فرماتے ہیں کہ: جو لوگ عقیقہ کو مستحب ہونے کی طرف گئے ہیں انہی میں سے؛ عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر اور ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم اجمعین ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ اسی کو ہم نے حضرت فاطمہ نبی ﷺ کی بیٹی، بریدہ اسلمی، قاسم بن محمد، عروہ بن زبیر، اُم عطاء بن ابی

رباح اور زہری وابوزناد رضوان اللہ علیہم اجمعین سے روایت کیا ہے۔

اور یہی امام مالک، اہل مدینہ، امام شافعی اور ان کے اصحاب، امام احمد، امام اسحٰق بن راھویہ، ابوثور اور اہل علم کی کثیر جماعت کا قول ہے (تحفۃ المودود بأحکام المولود، ص: ۴۵۔۴۶)

عقیقہ کا حکم:

عقیقہ کرنا سنت موکدہ ہے، اس کو خود آپ ﷺ نے کیا ہے، اور آپ کے بعد آپ کے صحابہ کا بھی یہی عمل رہا ہے، چنانچہ آپ ﷺ ایک حدیث میں فرماتے ہیں: مع الغلام عقیقۃ۔ یعنی عقیقہ بچے (مذکر ومونث) کے ساتھ ہے۔ (صحیح بخاری: ۵۴۷۱)

ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ: ''کل غلام رھین بعقیقتہ تذبح عنہ یوم سابعہ ویحلق ویسمی ''یعنی ہر بچہ (مذکر ومونث) اپنے عقیقہ کے ساتھ منسلک یا بندھا ہوا ہے، اس کے ساتویں دن اس کی طرف سے جانور ذبح کیا جائے گا، اس کے سر کو مونڈا جائے گا اور اس کا نام رکھا جائے گا۔ (سنن نسائی: ۴۲۲۰، سنن ترمذی: ۱۵۲۲، سنن ابوداود: ۲۸۳۷۔۲۸۳۸، سنن ابن ماجہ: ۳۱۶۵) امام ترمذی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے اسی طرح شیخ البانی رحمہ اللہ نے بھی ''ارواء الغلیل: ۱۱۶۵'' میں صحیح قرار دیا ہے۔

اور اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت بریدۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ ''ان الناس یعرضون یوم القیامۃ علی العقیقۃ کما یعرضون علی الصلوات الخمس ''۔ یعنی قیامت کے دن لوگوں کو پنج وقتہ نمازوں کی طرح عقیقہ پر بھی پیش کیا جائے گا۔ (التمھید لا بن عبد البر: ۳۱۱/۴ والاستذکار: ۵۵۰/۵۔۵۵۱)

یہ اور اس طرح کی ساری روایتیں اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ عقیقہ کرنا نبی کریم ﷺ کی تاکیدی سنت ہے، بلکہ بعض لوگوں نے تو اسے واجب تک قرار دیا ہے۔

عقیقہ کرنے کی حکمت:

علماء نے عقیقہ کی بہت ساری حکمتیں ذکر کی ہیں، ان میں سے بعض درج ذیل ہیں:

(۱) امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ عقیقہ کی اہمیت وحکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ھذا فی الشفاعۃ ، یرید انہ اذا لم یعق عنہ فمات طفلا لم یشفع فی والدیہ ، یعنی عقیقہ کا تعلق شفاعت سے ہے، اگر نومولود بچپن میں فوت ہوگیا اور اس کا عقیقہ نہ کیا گیا تو وہ اپنے والدین کے لیے شفاعت نہیں کرے گا۔ (فتح الباری: ۴۱۰/۱۲)

(۲) عقیقہ مولود کی طرف سے مصائب وآلام سے دور رہنے کا فدیہ ہے۔ (تربیۃ الأولاد فی السلام: ۹۹/۱)

(۳) احیاء سنت کے ساتھ خیر وبرکت اور اجر عظیم کا باعث ہے۔

(۴) نومولود کی ولادت پر اللہ کا شکریہ ادا کرنے کا ذریعہ ہے۔

(۵) مولود کی آمد کی خوشی میں جمع ہونے والوں کے مابین عدل واجتماعی، الفت ومحبت، اور معاشرہ کے اجتماعی روابط کا قائم ومکمل اور مستحکم ہونا ہے۔

(۶) طعام عقیقہ پر جمع ہونے والوں کا مولود کے لیے اجتماعی طور پر صحت وعافیت کی دعا کرنا ہے۔
(۷) معاشرہ کے پسماندہ، غریب، فاقہ زدہ اور محروم طبقہ والوں کی مدد کا ذریعہ ہے۔
یہ اور ان کے علاوہ بہت ساری خصوصیات کے باعث عقیقہ اجتماعیت اور شریعت کی ایک اہم اساس اور ضرورت بن جاتا ہے۔

عقیقہ کا وقت:

عقیقہ کرنے کا سب سے افضل وقت ولادت کا ساتواں دن ہے، جس کے مستحب ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے، اور جیسا کہ حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، اور رسول اللہ ﷺ کے فعل سے ثابت ہے، کہ: ''كل غلام رهين بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمى'' (اسکی تخریج گزر چکی ہے) اور: ''عق رسول الله ﷺ عن حسن وحسين يوم السابع وسماهما وأمر أن يماط عن رؤسهما الأذى'' یعنی نبی ﷺ نے حسن اور حسین رضی اللہ عنہما کا ساتویں دن عقیقہ کیا اور کا نام رکھا، اور حکم دیا کہ ان کے سر سے تکلیف دہ بال کو منڈوا دیا جائے۔ (صحیح ابن حبان: ۱۲/۲۷، رقم: ۵۳۱۱، مستدرک حاکم: ۴/۲۳۷، اور امام حاکم نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اور ذہبی نے اس کی موافقت کی ہے، اور دیکھیں سنن البیہقی الکبری: ۹/۲۹۹)۔

ان دونوں حدیثوں کی روشنی میں ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کرنا افضل قرار پاتا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ سے اس کا ثبوت ملتا ہے، مگر بعض صحابہ کرام سے ایسے آثار ثابت ہیں جن سے یہ صراحت ہوتی ہے کہ عقیقہ چودھویں دن اور اکیسویں دن اور اسکے بعد بھی کیا جا سکتا ہے، چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: ''ولكن ذلك يوم السابع فان لم يكن فى أربعة عشر فان لم يكن ففى احدى وعشرين''، یعنی عقیقہ ساتویں دن ہونا چاہئے اگر ایسا نہیں ہو سکا تو چودھویں دن اور اکیسویں دن۔ (مستدرک حاکم: ۴/۱۲۸، ۲۳۹) اور یہی مسلک عطاء بن رباح، وامام احمد اور اسحاق بن راہویہ رحمہم اللہ کا بھی ہے اور یہی بات امام ابن القیم رحمہ اللہ نے بھی ذکر کیا ہے، (دیکھیں: تحفۃ المودود باحکام المولود، ص: ۸۹)

خلاصہ کلام یہ کہ اگر والدین بچہ کے ولادت کے ساتویں دن عقیقہ کی استطاعت رکھتے ہیں تو عقیقہ اسی دن کرنا ہے، اگر کسی مجبوری محض کی بنا پر اس دن انسان عقیقہ نہیں کر پاتا ہے تو وہ عقیقہ اس کے بعد کبھی بھی کر سکتا ہے، کسی دن کی کوئی قید نہیں ہے، کیونکہ ایسا کرنا یسر شریعت کے عین مطابق ہے، اور اللہ تعالی کے فرمان: ''يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر، اور ما جعل الله عليكم فى الدين من حرج'' کا یہی تقاضہ بھی ہے، ایسا کرنے سے بچہ کا رہن تو کھل جائے گا لیکن ساتویں دن کی جو فضیلت ہے وہ اسے حاصل نہیں ہوگی، بلکہ بعض علماء تو کہتے ہیں کہ اگر والدین نے عقیقہ نہ کیا ہو تو بچہ بڑا ہونے کے بعد اپنا عقیقہ خود کر لے۔ (فتح الباری: ۱۰/۱-۴۱۱)

اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث بھی اسی کی شہادت دیتی ہے، فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اپنا عقیقہ نبوت ملنے کے بعد کیا، عن الهيثم بن جميل عن عبد الله بن المثنى عن ثمامة عن أنس رضى الله عنه أن النبى ﷺ عق عن نفسه بعد ما بعث نبيا ''(اس حدیث کو امام ابن حزم رحمہ اللہ نے محلی: ۶/۲۳۹، اور امام

طحاوی نے مشکل الآثار:۳/۷۸-۷۹ میں ذکر کیا ہے، اور شیخ اُلبانی رحمہ اللہ نے سلسلۃ الأحادیث الصحیحۃ میں ذکر کیا ہے: ۶/۲۲۵، حدیث نمبر:۲۷۲۶)

اسلام سے قبل عقیقہ کا رواج:

عقیقہ کی اہمیت اس سے بڑھ جاتی ہے کہ اسلام کے آنے سے پہلے لوگ عقیقہ کرتے تھے، گرچہ اس کی صورتیں مختلف تھیں، عیسائی بپتسمہ کی شکل میں عقیقہ مناتے تھے اور مناتے ہیں، اور جاہلیت میں اہل عرب اور شرفاء قوم کے بچے کی ولادت کے ساتویں دن بچہ کا نام رکھتے وقت جانور کی قربانی کرتے اور اس کا خون بچے کے سر پر مل دیتے تھے۔ (شاہکار انسائیکلو پیڈیا ص:۱۰۸۲)

اکثر مورخین نے خود رسول اللہ ﷺ کے متعلق لکھا ہے کہ آپ کے دادا نے آپ کے ولادت کے ساتویں دن آپ کا ختنہ کیا اور آپ کی ولادت کی خوشی میں قبیلہ والوں کی دعوت کی اور آپ کا نام محمد رکھا۔ (زادالمعاد:۱/۳۵، تاریخ اسلام اُکبر شاہ نجیب آبادی:۱/۹۰) امام ابن القیم اور امام ابن الجوزی نے اس واقعہ کو صحیح قرار دیا ہے۔

کیا مذکر کا عقیقہ مونث کے مثل ہے:

تمام علماء اس بات پر متفق ہیں کہ مونث اور مذکر کے عقیقہ میں شرعی طور پر کوئی فرق نہیں ہے، ہاں ایک بات ضرور ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''عن غلام شاتان وعن الجارية شاة'' یعنی بچہ کی طرف دو اور بچی کی جانب ایک جانور سے عقیقہ کرو۔ (أبوداود:۲۸۳۵) لیکن یہ صرف افضلیت کیلئے ہے اور اگر کوئی لڑکے اور لڑکی دونوں کی جانب سے ایک ایک جانور ہی ذبح کرے تو بھی کفایت ہوگا، اس کی دلیل یہ حدیث ہے: عق رسول الله ﷺ عن الحسن والحسين كبشا كبشا، یعنی نبی ﷺ نے حسن اور حسین کی جانب سے ایک ایک جانور سے عقیقہ کیا۔ (أبوداود:۲۸۴، مسند احمد:۵/۳۵۵-۳۶۱، شیخ اُلبانی نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے) اور اگر کوئی لڑکے اور لڑکی دونوں کی جانب سے دو دو جانور ذبح کرے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

نوٹ: حدیث میں بچے کی جانب سے دو اور بچی کی جانب سے ایک جانور ذبح کرنے کا ذکر آیا ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ وراثت میں بچی کا حصہ بچہ کے مقابلہ میں آدھا ہے۔ (فتح الباری:۹/۴۰۷، کتاب العقیقہ)، اور بچی کے جانب سے عقیقہ کرنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے، کیونکہ یہود بچیوں کا عقیقہ نہیں کرتے تھے۔ (فتح الباری:۱۲/۴۰۷، کتاب العقیقہ)

عقیقہ کے دن بچہ کا نام رکھنا:

بچہ کی ولات کے ساتویں دن عقیقہ کرنا، اس کا بال مونڈنا، اور اس کا نام رکھنا ایک مستحب عمل ہے، حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ عنہ اپنے والد عمرو سے اور ان کے والد اپنے والد شعیب سے روایت کرتے ہیں کہ: ان النبی ﷺ أمر بتسمية المولود يوم سابعه ووضع الأذى عنه والعق، یعنی نبی کریم ﷺ نے حکم دیا کہ ہم ساتویں دن بچہ کا نام رکھیں، اور اس کا سر مونڈیں، اور اس کا عقیقہ کریں۔ (ترمذی:۲۸۳۲، اس حدیث کو امام البانی رحمہ اللہ نے حسن قرار دیا ہے، دیکھئے: ارواء الغلیل:۴/۳۹۹-۴۰۰) اس حدیث کو امام نووی نے الأذکار میں اور امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے صحیح الکلم

الطیب میں بھی نقل کیا ہے، ایک دوسری روایت میں ہے کہ: كل غلام رهين بعقيقته تذبح عنه يوم سابعه ويحلق ويسمى (یہ حدیث گزر چکی ہے) اور ایک روایت میں ہے کہ: عق رسول الله ﷺ عن الحسن والحسين يوم السابع وسماهما وأمر أن يماط من رؤسهما الأذى۔ (یہ حدیث گزر چکی ہے)۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: سنت یہ ہے کہ نومولود کا نام پیدائش کے ساتویں دن یا پیدائش ہی کے دن رکھا جائے، لیکن ساتویں دن نام رکھنا مستحب ہے۔ (الأذکار، أزا امام النووی، ص:۲۵۴)

لیکن کسی مجبوری کی وجہ سے جس بچہ کے عقیقہ کی استطاعت والدین کو نہ ہو تو پیدائش کے اگلے دن اس کا نام رکھ دینا چاہئے، اس سلسلہ میں امام بخاری نے اپنے صحیح کے کتاب العقیقہ میں ایک باب باندھا ہے جو اس طرح ہے کہ: باب تسمية المولود غداة يولد لمن لم يعق عنه وتحنيكه، یعنی جس بچہ کا عقیقہ نہ کیا جائے تو اس کی پیدائش کے اگلے روز اس کا نام رکھنے اور تحنیک کرنے کا باب۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: "وهو جمع لطيف لم أره لغير البخاري" یعنی کہ یہ سب سے بہترین توجیہ ہے جو ہم نے امام بخاری کے علاوہ کسی کے پاس نہیں پایا۔ (فتح الباری:۱۲/۳۹۹) واللہ أعلم بالصواب۔

عقیقہ کا جانور:

عقیقہ کے جانوروں میں بھی ان امور کا لحاظ رکھنا ضروری ہے جن چیزوں کا لحاظ قربانی کے جانوروں میں رکھا جاتا ہے، یعنی جانور صحیح سالم ہو، جانور بیمار نہ ہو، یا ایسا لنگڑا نہ ہو کہ چل نہ سکے، کان، ناک وغیرہ کٹے نہ ہوں، پتلا دبلا ایسا نحیف اور کمزور نہ ہو کہ اس میں گودا ہی نہ ہو، سینگ ٹوٹی نہ ہو، اور پاگل نہ ہو جس کا پاگل پن واضح ہو، ہاں البتہ عقیقہ کے جانور میں عمر کی کوئی شرط نہیں ہے کیونکہ کسی صحیح حدیث سے یہ بات ثابت نہیں ہے، (دیکھئے: تحفۃ الأحوذی:۴/۱۶۷، حدیث نمبر:۱۴۳۳)۔

اگر کوئی انسان دو جانور سے بچہ کا عقیقہ کرے تو اس بات کا دھیان رکھے کہ دونوں ایک ہی جیسے ہوں اس کی دلیل یہ حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "عن الغلام شاتان مكافئتا ن" یعنی بچے کی جانب سے ایک جیسا دو جانور ذبح کیا جائے، (سنن أبوداود:۲۸۳۶، سنن ترمذی:۲۸۴۴، مسند احمد:۲/۱۸۲، ۱۹۴، شیخ البانی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے)

عقیقہ میں صرف بکرہ، بکری، بھیڑ، مینڈھا اور دنبہ ہی ذبح کیا جا سکتا ہے اس کے علاوہ جانوروں سے عقیقہ کرنا جائز نہیں ہے، اس لئے کہ حدیث میں انہی جانوروں کی صراحت ہے، اور جس حدیث میں اونٹ وغیرہ کا ذکر ہے وہ بالاتفاق موضوع ہے، اس لئے اس کو حجت بنانا اور اس سے دلیل پکڑنا جائز نہیں ہے۔ (ارواء الغلیل:۴/۳۹۳) اس پر صحابہ کرام اور اکثر اسلاف ومحدثین کا اتفاق ہے، اور ان کا یہی فتوی ہے، بلکہ مستدرک حاکم کی صحیح حدیث میں ہے کہ عقیقہ میں اونٹ ذبح کرنا صحیح نہیں ہے، (مستدرک حاکم:۴/۲۳۸۔۲۳۹، وطحاوی:۱/۴۵۷)، اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بچہ کے عقیقہ میں اونٹ ذبح کرنے کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ: اللہ کی پناہ، اس کے بجائے جو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے وہ حق ہے، یعنی ایک جیسی دو بکریاں (مذکر یا مونث)۔ (مشکل الآثار:۱/۴۵۷، اس کی سند جید ہے)۔

عقیقہ میں جانور ذبح کرنے کے بجائے اس کی قیمت ادا کرنا صحیح نہیں:

جس طرح عقیقہ میں صرف انہی جانوروں کو ذبح کیا جا سکتا ہے جن جانوروں کا ذکر حدیث میں آیا ہے، اسی طرح عقیقہ صرف جانور ذبح کرنے سے ہوگا، کیونکہ یہی سنت نبوی ﷺ ہے، عقیقہ کی قیمت کسی غریب محتاج یا رفاہ عام کے کاموں میں دینا درست نہیں، اس کی دلیل نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ: ''اذبحوا على اسمه فقولوا بسم الله اللهم لك واليك هذه عقيقة فلان ''یعنی بچے کے نام سے قربانی کرو، اور کہو کہ شروع اللہ کے نام سے، اے اللہ تیرے لئے اور تیری طرف سے یہ فلاں کا عقیقہ ہے۔ (مصنف عبدالرزاق: ۳۳۰/۴، ومصنف ابویعلی: ۳۰۱/۴، وسنن البیھقی الکبری: ۳۰۴/۹، ومستدرک حاکم: ۲۳۷/۴، اور امام حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے اور امام ذھبی نے اس کی موافقت کی ہے)

مذکورہ حدیث میں اس بات کی بھی وضاحت ہے کہ جانور کو مولود کے نام سے ذبح کرنا مستحب ہے۔

عیدالأضحیٰ کی قربانی میں عقیقہ کا حصہ:

بعض لوگ ایسا کرتے ہیں کہ عیدالأضحیٰ کے ایک جانور میں جس میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں، تو اس میں پانچ حصے قربانی اور باقی دو حصے ایک بچے کی طرف سے یا دو بچیوں کی طرف سے عقیقہ کے شامل کر دیتے ہیں، اور جانور صرف ایک ہی ذبح کرتے ہیں، اس طرح تمام شرکاء کی قربانی اور عقیقہ کے ساتھ سبکدوش ہو جاتے ہیں، ایسا کرنا بھی سنت مطہرہ کی صریح خلاف ورزی ہے، کیونکہ مستقل ایک یا دو جانور ایک بچہ یا بچی کی طرف سے ہونا چاہئے، اور اگر دو بچے اور دو بچیاں ہیں اور استطاعت بھی ہے تو کم از کم چھ (۶) جانور ذبح کرنا ہے، اور اگر آدمی کو اتنی استطاعت نہ ہو تو چار (۴) جانور ذبح کرے، اس سے کم کی اجازت نہیں، اور جس کو استطاعت نہ ہو اس کے لئے بچہ کا عقیقہ استطاعت ہونے تک نہیں ہے، جب استطاعت ہو فوراً کر لے، یہی سنت رسول اللہ ﷺ ہے۔ (تحفۃ المودود بأحکام المولود، ص ۱۱۸۔۱۱۹)

عقیقہ سے متعلق بعض باطل رسومات:

(۱) ناچ گانا ڈھول کی مجلسیں

(۲) محفل میلاد (برتھ ڈے منانا)

(۳) بچہ کو گھوڑے پر سوار کر کے مسجد یا مزار تک لے جانا

(۴) بچہ کے سر پر سہرا اور پھول وغیرہ باندھنا

(۵) نظر بد سے محفوظ رہنے کے لئے چہرہ پر کالا ٹیکا لگانا

(۶) سنت کے طور پر کان چھیدنا، دھاگا وغیرہ لٹکانا، یا باندھنا، سکہ ہڈی، چاقو اور سونا چاندی وغیرہ لٹکانا اور باندھنا

(۷) بچہ کے سر پر روپیہ یا زیور وغیرہ گھما کر صدقہ کرنا

(۸) سنت کے طور پر آب زمزم پلانا

(۹) نیاز اور فاتحہ وغیرہ کرانا

(۱۰) بچہ کے والدین کا دولہا اور دلہن بننا

(۱۱) بچہ کے بازو پر امام ضامن باندھنا

(۱۲) کمر میں پٹہ اور تلوار لٹکانا، وغیرہ، غرض یہ اور اس طرح کے سارے اعمال ورسومات جاھلی ہیں اسلام سے ان کا کوئی تعلق نہیں بلکہ ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ انسان ان کے ارتکاب سے مشرک بھی ہوسکتا ہے، اس لئے ان سارے غیر شرعی امور سے ہمیں بچنا اور دوسروں کو بھی بچانا چاہئے۔

اب اخیر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ اللہ تو ہمارے اس عمل کو خالص اپنی رضا کے لئے بنالے، اور اس عمل سے ہمیں اور مسلمانوں کو فائدہ اٹھانے کی توفیق عطا فرما، اور ہم سب کو اسلام کا شیدائی بنا کر زندہ رکھ اور جب ہماری موت آئے تو ہمارا آخری کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) ہو۔ آمین

وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين.

☆☆☆

قارئین محدث کی خدمت میں

ماہنامہ ''محدث'' جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس سے شائع ہونے والا جماعت اہل حدیث کا واحد رسالہ ہے جو مسلسل کئی دہائیوں سے دینی، اصلاحی اور علمی معلومات آپ تک پہنچا رہا ہے، اس رسالے کا مقصد ہی یہی ہے کہ عوام تک صحیح اور نکھرا ہوا اسلام پہنچائے، ہم نے رسالے کے لیے ایسی پالیسی بنائی ہے کہ عوام وخواص سب یکساں طور پر اس سے مستفید ہوسکیں۔

کوئی بھی رسالہ ہو اپنے قارئین کے تعاون کے بغیر کامیابی کے مراحل نہیں طے کرسکتا ہے، الحمدللہ رسالہ محدث کی مقبولیت میں برابر اضافہ ہورہا ہے اور یہ ہمارے قارئین کی کوششوں کا ثمرہ ہے، آپ بخوبی جانتے ہیں کہ اس گرانی کے دور میں ماہنامہ رسالہ نکالنا اور اس کے لیے سرمایہ مہیا کرنا کس قدر مشکل ہے، اگر ہمارے قارئین تھوڑی توجہ فرمائیں تو ہماری یہ مشکل دور ہوسکتی ہے۔

محدث کا زرسالانہ نہایت قلیل یعنی -/Rs.150 ہے، ہمارے بہت سے اخوان صرف لاپرواہی کی وجہ سے مدت خریداری ختم ہونے کے بعد بھی زرسالانہ نہیں بھیجواتے ہیں، حالانکہ اس کی اطلاع انہیں دے دی جاتی ہے، اس طرح کئی سال کا بقایا رہ جاتا ہے، جب محدث ارسال کیا جاتا ہے تو اس کے ایڈریس لیبل پر مدت خریداری اور اشتراک نمبر لکھ دیا جاتا ہے۔ قارئین سے گزارش ہے کہ اسے ضرور ملاحظہ کرلیا کریں۔ ہمارا ضمیر گوارہ نہیں کرتا کہ محض آپ کی غفلت کی وجہ سے رسالہ بھیجنا بند کریں، ہم سب کے لیے یہ ایک بڑا نقصان ہوگا۔

جن قارئین کے ذمہ محدث کا بقایا ہے، ان سے گزارش ہے کہ وہ بقایا رقم جلد از جلد ارسال فرمائیں تاکہ ہمارے رسالے کو معاشی بحران کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ والسلام (ادارہ محدث)

اہل اسلام اور قبلۂ اول کے خلاف

ریشہ دوانیوں کا ایک تاریخی جائزہ

تحریر: علامہ انور جندیؒ (قاہرہ)

ترجمہ: صہیب حسن فضل حق مبارکپوری
جامعہ ابو ہریرہ لال گوپال گنج الہ آباد

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا سلسلہ بہت قدیم ہے، اس کی ابتدائی علامتیں عہد نبوی میں جنگ موتہ (۸ھ) اور غزوۂ تبوک (۹ھ) کے علاوہ اس موقع پر بھی ظاہر ہوئیں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایام مرض الموت میں رومیوں سے جنگ کے لئے لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کو تیار فرما رہے تھے، جو ایک اشارہ تھا مستقبل کی خطرات کی طرف۔

عرصۂ دراز تک شام کی اسلامی حکومت اور بیزنطینیوں کے درمیان جنگوں کا سلسلہ جاری رہا، اس عرصے میں طرابلس کے مسلمانوں نے سرحد کی حفاظت میں بیٹھنے والے ان مجاہدین کی طرح زندگی گزاری جو ایک لمحہ کے لئے بھی سرحدوں کی حفاظت سے غافل نہیں ہوتے۔

جس وقت مسلمانوں نے افریقہ فتح کیا اور اسلامی فتوحات کا سلسلہ قیروان اور طنجہ تک دراز ہو گیا تو بحر ابیض متوسط سارا کا سارا اسلامی مملکت کے لئے ایک مضبوط دفاعی لائن کی حیثیت اختیار کر گیا، چنانچہ اس کے لئے مورچے قائم کئے گئے اور مورچوں کا یہ سلسلہ طرابلس شام سے رباط فتح ہوتے ہوئے اسفی اور اس کے بعد بحر اٹلانٹک کے ایک ہزار سے زائد مقامات تک پھیل گیا، ان مقامات میں ایسے لوگ مورچہ بند تھے جو اللہ کے لئے اپنی جانوں کی نذر مان چکے تھے، اور ساتھ ہی ساتھ ساحل کی تمام نقل وحرکت پر کڑی نگاہ رکھتے تھے، چوکسی کا حال یہ تھا کہ خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے جب ان کمین گاہوں کے کسی اونچے مقام پر آگ روشن کی جاتی تو ایک ہی رات میں یا رات کے کچھ حصہ میں آخری مرکز تک اس کی خبر ہو جاتی حالانکہ یہ مسافت قافلے دو دو ماہ میں طے کرتے تھے، اور ان کمین گاہوں میں ایسے تیز نگاہ اور سمندری حالات سے باخبر لوگ ہوتے تھے کہ جب بھی سمندر میں کوئی بھی ٹکڑی بلاد اسلامیہ کی طرف بڑھتی ہوئی نظر آتی تو اس کمین گاہ کا ہر شخص آگاہ ہو جاتا۔

اسلامی حکومت کی حدود پر روم کے ساتھ موقف میں نرمی وسختی کا سلسلہ جاری تھا کہ فاتح قسطنطنیہ محمد الفاتح رحمۃ اللہ کا زمانہ آیا اور انہوں نے پورے یورپ ہی نہیں بلکہ پورے عالم کی تاریخ بدل کر رکھ دی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے پاس بیٹھے لکھ رہے تھے کہ آپ ﷺ سے دریافت کیا گیا ''دو شہروں قسطنطنیہ یا روم میں سے ہم پہلے کس کو فتح کریں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''ہم ہرقل کے شہر (قسطنطنیہ) کو پہلے فتح کریں گے''۔

اسلام کو تنہا روم ہی سے ضرب نہیں پہنچی بلکہ دو بڑی طاقتوں تاتاریوں اور صلیبیوں سے بھی اسے زک پہنچی۔

تاتاریوں کی پیش قدمی جاری رہی اور وہ اسلامی خلافت کی راجدھانی بغداد میں ۶۵۶ھ میں داخل ہو گئے اور وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجادی، اور ظلم وستم کی آہنی چکی کے درمیان اسلام اور اہل اسلام کو پیس ڈالنے کی صلیبیوں نے جو ناپاک قسم کھا رکھی تھی اسے

پوری کرنے میں ان تاتاریوں نے صلیبیوں کا پورا تعاون کیا۔

لیکن ابھی تاتاریوں کے بغداد پر قبضہ کے دو سال نہیں گزرے تھے کہ ملک ظاہر بیبرس کی قیادت میں مسلمانوں کے ہاتھوں ان کو مقام عین جالوت میں تاریخ میں پہلی بار شکست ہوئی اور الٹے پاؤں بھاگنا پڑا۔

صلیبی جنگیں دو صدیوں کو محیط ہیں، اس درمیان مسلمانوں کی شجاعت و دلیری اور ان کی جنگی صلاحیت پورے طور پر نمایاں ہوئی جو تاریخ اسلام کا روشن باب اور مسلمانوں کے لئے سرمایۂ فخر ہے، حق و باطل کی ان جنگوں میں سرفہرست عماد الدین زنگی، نور الدین محمود، صلاح الدین ایوبی اور ملک ظاہر بیبرس اور قلاوون رحمہم اللہ کا نام آتا ہے۔

نور الدین زنگی رحمہ اللہ نے راہ حق کے نقوش اذہان وقلوب کے اندر پوری طرح بیٹھا دئے تھے، ان کی اس کوشش کا نتیجہ تھا کہ ایک ایسا گروہ وجود میں آ گیا جو ہمہ وقت جہاد کے لئے تیار رہتا اور اسی کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر دیا تھا، پھر ان سرفروشان حق کی قیادت کی باگ ڈور صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں آئی جن کی خدا ترسی اور جنگی مہارت کے بدولت ہر محاذ پر ان جانبازوں کو فتح ونصرت حاصل ہوتی رہی، سب سے پہلی کامیابی انہیں حطین میں ۵۸۳ھ (۱۱۸۷ء) میں ملی۔

عماد الدین زنگی رحمہ اللہ نے ''رہا'' فتح کیا اور نور الدین زنگی رحمہ اللہ نے مصر و شام اور موصل کے میدانوں میں جہاد کے تین سال گزارے، جب علم جہاد صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کے ہاتھ میں آیا اس وقت سارے یورپ کو بخوبی علم ہو گیا کہ یہ شخص ایک ماہر جنگجو ہی نہیں بلکہ اللہ رب العالمین پر کامل ایمان رکھنے والا اور وعدے کا سچا اور پکا بھی ہے، یہی وجہ تھی کہ اہل یورپ صلاح الدین ایوبی کی امانت و دیانت سے کافی متأثر تھے، چنانچہ صلیبی جنگوں کے تین کمانڈر جو ایوبی رحمہ اللہ کا کام تمام کرنے کے ارادے سے آئے تھے انہوں نے احتراماً ایوبی رحمہ اللہ کے آگے سر جھکا دیا۔

جنگ حطین صلیبیوں کے حق میں اسی طرح ایک فیصلہ کن جنگ تھی جس طرح معارکۂ عین جالوت تاتاریوں کے حق میں۔

جب ''لویس تاسع'' ساتویں صلیبی جنگ کی قیادت کرتا ہوا مصر آیا اور انتہائی بری شکست سے دوچار ہو کر ''منصورہ'' میں قید کر دیا گیا تو فرانسیسیوں نے فدیہ دے کر اسے چھڑانے کی کوشش کی۔ اسلامی رواداری کے پیش نظر اس کی جان بخش دی گئی اور وہ رہا کر دیا گیا، مصر سے رہائی پانے کے بعد ہی اس نے مسلمانوں کے ساتھ غداری کرنی شروع کر دی، چنانچہ وہ ''عسکا'' آیا اور مسلمان کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے اور ان کے خلاف ریشہ دانیوں اور سازشوں کا جال بننے میں ہمہ تن مصروف ہو گیا، وہ پورے عالم اسلام کا محاصرہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، اسی مقصد سے اس نے منگولیوں سے بھی رابطہ قائم کیا۔ تیونس میں جو صلیبی جنگ ہوئی اس کا قائد یہی تھا، اس وقت تک یہ اپنی ریشہ دانیوں سے باز نہ آیا تھا، اس جنگ کے چند سال بعد اسلام اور اہل اسلام کا یہ سخت دشمن تیونس میں مارا گیا۔

دو صدی بعد صلیبی جنگیں ختم ہوئیں، یورپ اپنی مسلسل شکست وریخت کے باعث پورے طور پر ٹوٹ چکا تھا، ان ذلت آمیز شکست کے باوجود بھی وہ اپنی فتنہ پردازیوں سے باز نہ آیا اور مسلمانوں کے ساتھ غدر و بے وفائی کا سلسلہ برابر جاری رکھا، اور آئندہ کی جنگ میں اپنی کامیابی کے لئے از سر نو تیاری میں لگا رہا، اگر دولت عثمانیہ کا قیام عمل میں نہ آ چکا ہوتا (تو شاید وہ پوری تندہی کیساتھ اپنے کو تیار نہ کرتا)۔

خلافت عثمانیہ دشمنان اسلام کی آنکھوں کا تنکا:

خلافت عثمانیہ اپنے قیام کے پہلے ہی دن سے دشمنان اسلام کی آنکھوں میں کھٹک رہی تھی، کیونکہ یہی وہ خلافت تھی جو مشرق

سے لیکر مغرب تک کے پورے اسلامی وجود کی پناہ گاہ اور اسکی محافظ تھی، یورپ عالم اسلام کے خلاف جو بھی سازش کرتا وہ اس کو ناکام بنادیتی، یورپ کے علاقہ بلقان میں داخل ہوکر ویانا کی فصیلوں تک پہنچ گئی اور تین صدیوں سے زیادہ تک قلب یورپ پر براجمان رہی۔

خلافت عثمانیہ کے سپوت محمد الفاتح رحمہ اللہ کا زمانہ آیا، اللہ رب العالمین نے موصوف کے ذریعہ قسطنطنیہ پر فتح عطا فرمائی، مرحوم نے اپنی اسلامی غیرت وحمیت کا ثبوت دیتے ہوئے آیا صوفیہ کے گرجا گھر کو مینارۂ اسلام (مسجد) میں تبدیل کردیا، اس کے بعد ہی خلافت عثمانیہ کے خلاف عیسائی سازشوں کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوتا ہے جو اس کے زوال تک پھیلا ہوا ہے۔

تحقیقات سے اس بات کا انکشاف ہوتا ہے کہ خلافت عثمانیہ کے ظہور اور اسکی وسعت وترقی کے فترہ میں یورپ نے اس کو نیست ونابود کرنے کے لئے تقریباً ایک سوسازشوں کا جال بچھائے اور ان کو بروئے کار لانے کی ہزار کوششیں بھی کیں، لیکن اللہ جس کو رکھے اس کو کون چکھے۔

اسلامی اقتدار کے تحفظ اور اس کے استحکام وبقاء کی خاطر عربوں کا خلافت عثمانیہ سے منسلک ہونا ایک تاریخی ضرورت تھی، عرب اس پر متفق تھے اور ایسا خلافت عثمانیہ کے رول اور صلیبی کے مقابلہ میں اس کے سینہ سپر ہونے کے اعتراف کے طور پر تھا۔

راس گڈ ہوپ (رجاء صالح) کی دریافت کے بعد استعماری دریافتوں کا سلسلہ شروع ہوگیا، الجزائر، امراء لبنان اور شریف مکہ نے اپنی مرضی سے انگریزوں کی ماتحتی قبول کرلی تھی، یہ کوئی استعماری عمل نہیں تھا جیسا کہ اہل مغرب کہتے ہیں بلکہ عالم اسلام کو درپیش خطرات کے مقابلہ کے لیے باہم تعاون کے جذبہ سے تھا، یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام استعماری قوتوں کے ہاتھوں جانے سے محفوظ رہا۔

یورپی سازش کا دوسرا دور سقوط اندلس کے بعد شروع ہوتا ہے جبکہ ایک طرف اسپین اور پرتگال، افریقہ کے راستے سے عالم اسلام کے محاصرہ کے لیے ہمہ تن مصروف تھے اور دوسری طرف الجزائر اور مغرب پر بھی اپنا تسلّط جمانا چاہتے تھے، مگر وہ ایسا نہ کرسکے اور بعد میں فرانس اور انگلینڈ ان دونوں ملکوں (الجزائر اور مغرب) پر قابض ہوگئے، اسی زمانے کا یہ واقعہ بھی ہے کہ برطانیہ ہندوستان پر اور ہالینڈ، الجزائر، ملیشیا اور انڈونیشیا پر حملہ کرنے کے لیے چل چکے تھے، یہ سب کچھ عالم اسلام کو ظلم وستم کی آہنی چکی کے درمیان پیس ڈالنے اور اہل اسلام کو پورے طور سے پست کردینے کے لیے ایک خطرناک سازش کے تحت ہورہا تھا، بعد کے مراحل ہمارے لیے خوش آئندہ نہ تھے بالفاظ دیگر اس وقت ہمیں مستقبل کے جن خطرات کا اندیشہ تھا آج وہ ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں اور انہیں پر خطر حالات میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔

دولت عثمانیہ کے شیرازہ کو منتشر کرنے اور اس اسلامی خلافت کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لیے سازش کی ابتدا ہوچکی تھی، چونکہ یورپ یہ جانتا تھا کہ رومن امپائر کی طرح ایک دن اس کی بھی تہذیب زوال سے دوچار ہوگی اس لیے برطانیہ جسکی حکومت کی وسعت کا عالم یہ تھا کہ اس میں سورج کبھی غروب ہی نہیں ہوتا تھا، یورپ کے اثر ورسوخ اور اس کی حکومت کو بحال رکھنے کے لیے کوشاں ہوا جس کے نتیجہ میں ۱۹۱۷ء میں ''کامبل نیرمان'' کا پلان پاس ہوا جسے علماء تاریخ نے اپنی کتابوں میں محفوظ کیا ہے، ذیل میں ہم اسے پیش کررہے ہیں:

اولا یہ کہ بحر متوسط پر قبضہ کی اہمیت اس لیے ہے کہ وہ استعمار کے لیے شہ رگ کی حیثیت رکھتا ہے، وہ مشرق ومغرب کے درمیان ایک پل کا کام کرے گا نیز وہ ایک سینٹر کا کام کرے گا جہاں سے پوری دنیا میں سفر کرنے کے لیے راستہ ملے گا، اس کے مشرقی

وجنوبی ساحلوں پر جو قابض ہوگا اس کے لیے دنیا پر حکومت کرنا آسان ہوگا۔

رپورٹ میں تاکیداً دوسری بات یہ کہی گئی تھی کہ استعمار کو درپیش خطرے بحر متوسط میں پوشیدہ ہیں اور بحر متوسط مشرق ومغرب کے درمیان تعلق پیدا کرنے کا اہم زریعہ ہے اسی طرح جس علاقہ میں وہ گرتا ہے وہاں کی سرزمین جملہ تہذیب وتمدن اور مختلف ادیان ومذاہب کا گہوارہ رہ چکی ہے، نیز اس علاقے میں ایک ایسی قوم بستی ہے جس کی تاریخ وزبان ہی نہیں بلکہ اس کے دین ومذہب میں بھی یگانگت کا ایک دریا موج مار رہا ہے، اگر یورپ کی نئی ایجادات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس علاقہ پر قبضہ کرلیا جائے اور وہاں تعلیم رواج پا جائے تو یقیناً ایک دن وہاں استعماری شہنشاہیت کا خواب چکنا چور ہو جائے گا، اس لیے ایسی حکومتیں جن کے مصالح مشترک ہوں ضروری ہے کہ وہ اس علاقہ کو آپس میں تقسیم کرنے، اس کو زندگی کے ہر میدان میں پیچھے ڈھکیلنے اور اس کے باشندوں کو انتشار و اختلاف اور جہالت پر باقی رکھنے کی بھرپور کوشش کریں، اور اس کی جو بھی ٹوٹی پھوٹی حالت ہو اسی کو اس پر قائم رکھتے ہوئے وہاں کام کریں، یہ بھی خیال رہے کہ اس علاقہ میں موجود افریقی حصہ کو ایشیائی حصہ سے الگ کرنے کے بعد ہی ساری تدبیریں کارگر ہوسکتی ہیں۔

رفع خطرہ کے لیے فوری اقدام کرتے ہوئے رپوٹ میں اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ برّی پل کے علاقہ میں ایک ایسا انسانی بند باندھنے کی ضرورت ہے جو طاقت ور افراد پر مشتمل ہونے کے ساتھ ساتھ وہاں کے لئے اجنبی ہو، اور وہ برّی پل ایشیا وافریقہ کو ایک دوسرے سے مربوط کرے نیز ان دونوں کو بحر متوسط سے جوڑنے کا کام کرے، اس طرح اس علاقہ میں اور نہر سویز کے قریب ایک ایسی قوت وجود میں آجائے گی جو استعمار کی دوست اور اہل علاقہ کی دشمن ہوگی۔

مشہور ہے کہ استعمار نے اس دوران اپنی استعماری پلاننگ میں صہیونیت سے ساز باز کرلی تھی اور اپنی جدید پلاننگ کی تمہید کے طور پر ان ممالک میں سودی نظام نافذ کردیا تھا جو بڑے بڑے ملکوں کے ماتحتی میں آچکے تھے۔

یہ منصوبہ بندی اس وقت منظر عام پر آئی جب فرانسیسیوں نے فلسطین وشام پر قبضہ کرنے کے لیے مصر کا محاصرہ کیا حالانکہ اس وقت فرانس اور برطانیہ کے درمیان ہندوستان کی بابت رسہ کشی چل رہی تھی، فرانس، لبنان پر قبضہ ہو چکا تھا اور مسیحی تبلیغی وفود کو وہاں آنے جانے کی پوری چھوٹ دے دی تھی، بعد میں انہیں مسیحی وفود نے قسطنطنیہ اور مصر وشام میں بھی اپنا قدم جما لئے۔

خلافت عثمانیہ کے آخری فرمانروا سلطان عبدالحمید مرحوم تھے، مرحوم کے زمانۂ خلافت میں یہودی سازشیں شباب پر تھی، سلطان موصوف بیت المقدس کی بابت یہودیوں کی ناپاک نیتوں کو بھانپ گئے، پوری جوان مردی کے ساتھ ان کا مقابلہ کرتے رہے، صہیونی سازشوں کے خلاف فیصلہ کن اور قابل قدر موقف اختیار کیا، جب بات نہ بن سکی تو مال وزر کی لالچ دلائی گئی چنانچہ ہرٹزل نے یہودیوں کو بیت المقدس میں بغرض زیارت واقامت داخل ہونے کی اجازت کے صلے میں پچاس ملین سونے کی پیش کش کی، سلطان مرحوم کی غیرت ایمانی جوش میں آگئی اور بڑی حقارت کے ساتھ اس پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

مرحوم سلطان عبدالحمید نے ملت اسلامیہ کو ایک پلیٹ فارم پر اکٹھا ہونے اور متحد ہونے کی دعوت دی، باوجود یہ کہ ملت اسلامیہ کمزور ہو چکی تھی انہوں اس اتحادی مشن کو کامیاب بنانے میں پوری کوشش کی مگر افسوس موصوف کی آواز صدا بصحراء ثابت ہوئی، آپ کو حکومت سے برطرف کردیا گیا اور آپ کی معزولی ہی خلافت عثمانیہ کے سقوط اور اس کے شیرازہ کو پارہ پارہ کرنے کا پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

سلطان عبدالحمید کی معزولی کے بعد ترکی میں موجودہ ماسونی واتحادی طاقتیں اور یہودی فلسطین کی طرف للچائی نظروں سے

دیکھنے لگے، اتحادی اپنے شاطرانہ چالوں سے خلافت عثمانیہ کو پہلی عالمی جنگ میں جھونکنا چاہتے تھے کہ سرے سے اس کا شیرازہ منتشر ہوجائے نیز اسکی ساری دولت فرانس اور برطانیہ کے مابین تقسیم ہوجائے، انہیں سازشوں کی تنفیذ کے لیے برلین میں خصوصی کانفرنس بلائی گئی اور اس موقعہ پر معاہدہ بلفور بھی ظہور پزیر ہوا، جس نے باقاعدہ ایک سازش کے تحت یہودیوں کے سامنے بیت المقدس کو کھول دیا، یہ ایک ایسی سازش اور (اہل اسلام کے منہ پر) ایسا طمانچہ تھا جس کی مثال دینے سے تاریخ قاصر ہے، یہ سازش ۱۹۱۸ء سے لیکر آج تک ان دوناموں سے چل رہی ہے؛ نیل سے فرات تک، اور ہیکل سلیمانی کی جدید تعمیر''۔

اکثر مورخین کا خیال ہے کہ آٹھویں صلیبی جنگ کے اختتام کے اسی سال بعد نویں صلیبی جنگ شروع ہوئی یہی جنگ ۱۹۱۷ء میں برطانیہ کے بیت المقدس میں داخل ہونے کا سبب بنی، اس موقع سے لارڈ نسبی نے اعلان کیا کہ (اب صلیبی جنگیں اپنے اختتام کو پہنچ گئی ہیں)

اسی زمانہ کی بات ہے کہ گوروفرانسیسی نے دمشق میں سلطان صلاح الدین ایوبی رحمہ اللہ کی قبر کے پاس جا کر کہا تھا: ''صلاح الدین! تمہیں معلوم ہونا چاہئے کی ہم پھر (اپنی پرانی جگہ) لوٹ آئے ہیں (یعنی بیت المقدس ہمارے قبضہ میں آ گیا)۔

ابھی پہلی عالمی جنگ ختم بھی نہ ہوئی تھی کہ خلافت عثمانیہ کا شیرازہ بکھیر دیا گیا اور اس کی جملہ ملکیت تقسیم کرنے کے بعد وہاں سیکولرزم (لادینی نظام) نافذ کردیا گیا اور اس کی قیادت کی باگ ڈور مصطفیٰ کمال اتاترک (یہودی کا خالص ایجنٹ) کے ہاتھ میں دے دی گئی، (ہندی اور انگریزی کی طرح) ترکی زبان کو بائیں طرف سے لکھنے کا قانون نافذ کیا گیا، نیز اس جدید غیر اسلامی نظام حکومت کی طرف عربوں اور مسلمانوں کو رغبت دلانے کی کوشش کی جانے لگی، (نوبت بایں جارسید کہ) پوری ملت اسلامیہ استعماری اثر ونفوذ کے ماتحتی میں آ گئی، ایشیا وافریقہ کے مابین حدّ فاصل کا کام کرنے والے علاقے میں ایک اجنبی عنصر کے قیام کی جو بات ۱۹۱۷ء میں (نیرمان کامبل کی وصیت میں آچکی تھی اس پر عمل درآمد ہونے کے وسائل مہیا کردیے گئے، (یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا کہ) پوری ملت اسلامیہ اس خطرناک مقام پر پہنچ گئی جہاں کہ مغربی، صہیونی اور کمیونسٹی درندے اسے نگل لینے کے لیے پہلے سے ہی منہ کھولے ہوئے تھے۔

ترکی کی سیکولر حکومت کے اولین مقاصد میں سے خلافت عثمانیہ کو نیست ونابود کرنا تھا کیونکہ اس طرح بآسانی قیام اسرائیل کے لیے راہ ہموار کی جاسکتی تھی، خلافت عثمانیہ کا زوال مغربی اقتدار کی نگاہ میں بڑی اہمیت کا حامل اور اس کے لیے حیات جاودانی سے کم نہ تھا، اس میں راز یہ تھا کہ آئندہ کبھی مسلمان ابھر نہ سکیں گے، ان کی نگاہ میں اس کی اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ مطلب برآری کے لیے انہوں نے پوری غیر مسلم طاقت کو ایک پلیٹ فارم پہ لا کھڑا کیا تھا۔

برطانیہ کے وزیراعظم (گلاڈسٹون) نے ایک مرتبہ برطانوی پارلیمنٹ میں برسرمنبر قرآن کریم کو ہاتھ میں لے کر کہا تھا کہ (جب تک روئے زمین پر یہ کتاب باقی رہے گی ہمیں مسلمانوں کو زیر کرنے کی امید اپنے دلوں سے نکال دینی چاہئیے بلکہ اس کتاب کی وجہ سے ہمیں اپنے وجود کا خطرہ لگا رہتا ہے)۔

جس وقت (گلاڈسٹون کا) یہ موقف سامنے آیا اس وقت مغرب، یورپ اور عیسائی عالمی طاقت اور یہود پر یہ بات واضح ہوگئی کہ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے بڑے خطرے کا سامنا ہے، نویں صلیبی جنگ کے مقابلہ کے لیے مسلمانوں کے اندر جو اسلامی بیداری آئی وہ قرآن کریم پر عمل کرنے کی وجہ آئی۔

اور آج حالت یہ ہے کہ ہم سازشوں اور ریشہ دانیوں کی آہنی زنجیروں میں روز بروز جکڑے جارہے ہیں۔

اگست ۱۹۶۹ء میں مسجد اقصیٰ میں آگ لگائے جانے کا حادثہ پیش آیا، اس کے بعد بھی اس طرح کی شر پسندانہ کوششیں کی جاتی رہیں، یہاں تک کہ وہ دن بھی آیا جبکہ مسجد اقصیٰ کے قلب میں ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے بعض انتہا پسند یہودیوں نے سنگ بنیاد بھی رکھ دی، حالانکہ بنی اسرائیل کی قدیم تاریخ میں اس ہیکل کے نام ونشان تک کا بھی پتہ نہیں چلتا جسے دو مرتبہ جلایا گیا تھا، پہلی مرتبہ کلدانیوں کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں جسے ۵۸۶ قبل مسیح یروشلم پر حملہ کیا تھا، اسی طرح دوسری مرتبہ رومی بادشاہ ٹیٹس نے ۷۰ء میں ہیکل کو توڑا جبکہ رومی حکومت کے خلاف یہودیوں کے انقلاب برپا کرنے کی وجہ سے یروشلم (بیت المقدس) کو جلا دیا گیا تھا۔

اسی طرح بادشاہ اوریانوس کے عہد حکومت ۱۳۵ء میں جب یہودیوں نے سر اٹھایا تو یروشلم پورے طور پر تہ وبالا کر دیا گیا، وہاں کی اینٹ سے اینٹ بجادی گئی اور بنیاد سمیت ہیکل ختم کر دیا گیا، شہر میں کھیتی کی جانے لگی تھی اور ہیکل سلیمانی کی جگہ جوپیٹر نام کا ایک بت نصب کر دیا گیا جو رومیوں کے نزدیک رب الأرباب کی حیثیت رکھتا تھا۔

چوتھی صدی ہجری میں قسطنطین کے عہد میں جب رومیوں نے نصرانیت قبول کر لی تو اس وقت (بیت المقدس میں) ہیکل سلیمانی کا کوئی نام ونشان نہ تھا، ۶۳۶ء میں مسلمانوں نے فلسطین فتح کیا تو اس کے جسم کا خون وگوشت عربی ہو گیا یعنی (پورے طور پر) اس کی عربیت عود کر آئی، معلوم ہوا کی فلسطین اپنی صبح تاریخ سے ہی عربی تھا، لیکن صہیونیت تاریخی حقائق کا اعتراف نہیں کرتی اور ہیکل سلیمانی کا نمونہ قائم کرنے کی سعی نامشکور کر رہی ہے۔

صہیونیوں کے جھوٹے گمان کے مطابق مسجد اقصیٰ کی پچھمی دیوار قدیم ہیکل سلیمانی کا بقیہ حصہ ہے جس کا نام ان لوگوں نے ''الحائط المبکی'' (دیوار گریہ) رکھا ہے، یہ ایک سیاسی نام ہے جو وعد بلفور اور ۱۹۱۷ء میں مسجد اقصیٰ میں انگریزوں کے داخل ہونے سے پہلے غیر معروف تھا، مسلمان اس دیوار کی نسبت براق کی طرف کرتے ہوئے حائط البراق (دیوار براق) کہتے ہیں۔

۱۹۳۲ء میں قومی جماعت کی جانب سے اس مسئلہ کے حل کے لیے ایک غیر جانب دار کمیٹی بنائی گئی جس نے یہ فیصلہ صادر کیا کہ اس علاقہ میں یہودیوں کا سرے سے کوئی حق نہیں ہے، اس مسئلے کے حل کے لیے ہونے والی مٹنگ میں محمد علی علوبہ اور شیخ عربیت احمد زکی پاشا نے بھی شرکت کی تھی مگر ان ساری کوششوں کا کوئی خاطر خواہ فائدہ نہ نکلا، اس مسئلے پر گفت وشنید اور نوک جھونک کا سلسلہ تاہنوز جاری ہے۔

آج ان پرآشوب حالات میں ہم فرزندان ملت اسلامیہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ہم اپنے عقل وخرد کو کام میں لائیں اور یہ سوچیں کہ آخر یہودی نوآبادکاری اور صلیبی جنگوں کے درمیان گٹھ جوڑ کے کیا محرکات ہیں اور ان کے مابین وجہ اتصال کیا ہے، کیونکہ وہ لوگ بھی جنگ حطین اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں، مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ جس طرح انہوں نے صلیبی جنگوں میں صبر وثبات کا مظاہرہ کیا اسی طرح موجودہ خطرات کے سامنے ڈٹے رہیں اور ان حالات میں قرآن مجید کی مقدس تعلیمات پر عمل پیرا ہوں۔

☆☆☆

اخبار جامعہ

تعلیم کا آغاز:

جامعہ سلفیہ بنارس میں ۲ رجولائی ۲۰۱۱ء سے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہوگیا، ۳ رجولائی کو داخلہ امتحان منعقد ہوا جس میں ۱۵۶ طلباء شریک ہوئے، جن میں ۸۳ طلبہ کا داخلہ لیا گیا، جدول دراسی کو فائنل کر دیا گیا، اساتذہ کو ان کی گھنٹیاں تقسیم کر دی گئیں، جامعہ کے ہاسٹل میں مقیم طلباء کو کمرے الاٹ کر دیئے گئے اور انہیں کتابیں بھی تقسیم کر دی گئیں اور ۹ رجولائی ۲۰۱۱ء کو درس گاہوں میں باقاعدہ حاضری اور تعلیم کا آغاز ہوا۔

جامعہ سلفیہ میں نیا داخلہ:

تعلیمی سال ۲۰۱۱ء-۲۰۱۲ء کے لیے جامعہ سلفیہ بنارس میں ۳ رجولائی ۲۰۱۱ء کو داخلہ امتحان برائے متوسطہ اولی، عالم اول، فضیلت اول اور شعبۂ حفظ وتجوید کے لیے منعقد ہوا، جس میں مختلف صوبے کے طلباء شریک ہوئے، دوسرے دن ان طلباء کا شفوی امتحان لیا گیا اور مجموعی طور پر ۸۳ طلبہ کا داخلہ منظور ہوا، جن میں ۳۶ متوسطہ اولی، ۱۳ عالم اول، ۷ فضیلت اول، ۲۴ رشعبۂ حفظ، ۳ رشعبۂ تجوید کے طلباء ہیں۔

جامعہ سلفیہ میں انجمن کا آغاز:

تقریری مشق کے لیے منعقد ہونے والی حفلۃ الخطابۃ وندوۃ الطلبۃ کے زیر اہتمام انجمن کا افتتاحی پروگرام ۲۱ رجولائی ۲۰۱۱ء بروز جمعرات قاعۃ المحاضرات میں زیر صدارت ڈاکٹر جاوید اعظم عبد العظیم، اور مسجد جامعہ میں زیر صدارت مولانا عبد المتین مدنی منعقد ہوا، جس میں ندوۃ الطلبہ اور حفلۃ الخطابہ کا تعارف اور اس کے مقاصد بیان کئے گئے اور منتخب طلبہ نے تقریر کی، ان کے بعد صدر مجلس نے طلبہ کو ناصحانہ خطاب فرمایا اور طلباء کی طرف سے اساتذہ کی ضیافت کی گئی۔

رمضان وعید کی تعطیل:

جامعہ میں رمضان المبارک وعید الفطر کی تعطیل بتاریخ ۳۰ رجولائی ۲۰۱۱ء مطابق ۲۷ رشعبان ۱۴۳۲ھ بروز سنیچر شروع ہوکر ۵ رستمبر ۲۰۱۱ء مطابق ۶ رشوال ۱۴۳۲ھ بروز سوموار ختم ہوگی اور تعلیم کا دوبارہ آغاز ۶ رستمبر ۲۰۱۱ء مطابق ۷ رشوال ۱۴۳۲ھ بروز منگل ہوگا، ان شاء اللہ۔

مولانا محمد ابو القاسم فاروقی صاحب عمرہ کے سفر پر:

ماہنامہ محدث کے معاون مدیر مولانا محمد ابو القاسم فاروقی صاحب اپنی اہلیہ اور ایک صاحبزادی کے ہمراہ ۲۴ رجولائی ۲۰۱۱ء کو بنارس سے عمرہ کے سفر پر روانہ ہوگئے ہیں، ان شاء اللہ سعودی عرب میں اپنے قیام کے دوران آپ مدینہ منورہ بھی تشریف لے جائیں گے اور مکہ ومدینہ وجدہ میں اپنے اقارب وتلامذہ سے بھی ملاقات کریں گے۔ اللہ تعالی آپ کے اس سفر کو مبارک بنائے اور خیر وعافیت کے ساتھ آپ سب کو واپس لائے۔ (آمین) ☆ (ادارہ)

باب الفتاوی

سوال: روزہ رکھنے اور عید منانے کے لیے چاند دیکھنے کے بجائے لوگوں کے بنائے ہوئے ٹائم ٹیبل، کیلنڈر، فلکیاتی حساب وغیرہ پر اعتماد کرنا صحیح ہے؟ یا پھر چاند کے لیے رویت کا ثبوت ضروری ہے؟ قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کو واضح فرمائیں۔

الجواب بعون اللہ الوھاب وھو الموفق للصواب:

نبی کریم ﷺ نے تمام مسلمانوں کو یہ حکم دیا ہے کہ ''وہ چاند دیکھ کر روزے رکھیں اور چاند دیکھ کر ہی روزے چھوڑیں اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو مہینے کی تیس دن پورے کرلیں۔ (بخاری شریف، ح:۱۹۰۹، مسلم شریف ح:۱۰۸۱) یا ایک ثقہ آدمی غروب آفتاب کے بعد شعبان کی تیسویں رات کو اور دو ثقہ آدمی رمضان کی تیسویں رات کو چاند دیکھ لیں تو پھر ایسی صورت میں ان کی رؤیت اور ان کی شہادت معتبر مانی جائے گی۔

روزہ رکھنے اور روزہ چھوڑنے سے متعلق یہ مسلمہ اصول شریعت کی طرف سے بیان کردیا گیا ہے، اس دعوی کے ثبوت کے لیے چند دلائل ملاحظہ فرمائیں:

(۱) حضرت عبدالرحمٰن بن زید بن خطاب سے روایت ہے کہ انہوں نے شک کے دن خطبہ دیتے ہوئے فرمایا: میں اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ کے صحابہ کرام کے پاس بیٹھا تھا، میں نے ان سے پوچھا اس پر انہوں نے مجھے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ فرمایا: "صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته، وانسكوا لها فإن غم عليكم فأتموا ثلاثين وإن شهد شاهدان مسلمان فصوموا وافطروا" (مسند احمد ۴/۳۲۱، نسائی ح ۲۱۱۸، ارواء الغلیل ح ۹۰۹) یعنی چاند دیکھ کر روزہ رکھو، اسے دیکھ کر روزہ چھوڑو اور اسی کو دیکھ کر قربانی کرو، اگر مطلع ابر آلود ہو تو تیس (دن) پورے کرلو، اور اگر دو مسلمان گواہ (چاند دیکھنے کی) گواہی دے دیں تو روزہ رکھو اور افطار کردو۔

اسی طرح ایک دوسری روایت جو کہ امیر مکہ حضرت حارث بن حاطب سے روایت ہے، آپ ؓ فرماتے ہیں: "عهد إلينا رسول الله ﷺ أن ننسك للرؤية، فإن لم نره وشهد شاهدا عدل نسكنا بشهادتهما" (صحیح سنن ابی داود ۲/۴۴۵، ح:۲۰۵۰) یعنی آپ ﷺ نے ہم سے عہد لیا کہ ہم حج اور قربانی رؤیت کے مطابق انجام دیں، اور اگر ہم نے چاند نہ دیکھا ہو اور دو عادل گواہ (چاند دیکھنے کی) گواہی دے دیں تو ہم ان کی گواہی کے مطابق حج اور قربانی کریں۔

اسی طرح ایک روایت میں آپ ﷺ فرماتے ہیں: "إنا أمة أمية لا نكتب ولا نحسب، الشهر هكذا وهكذا وأشار بأصابعه كلها يعنى بذلك أن الشهر يكون تسعا وعشرين ويكون ثلاثين". (صحیح بخاری، ح:۱۹۱۳، صحیح مسلم ح ۱۰۸۰) یعنی ہم ایک امی امت ہیں، ہم حساب وکتاب نہیں جانتے، مہینہ اس طرح اس طرح اور اس طرح ہوتا ہے اور دونوں ہاتھوں کی انگلیوں سے اشارہ کرتے وقت تیسری بار آپ نے انگوٹھے کو بند کرلیا تھا پھر فرمایا: مہینہ اس طرح اس طرح اور اس طرح کا ہوتا ہے اور دونوں ہاتھ کی تمام انگلیوں سے اشارہ کیا، اس سے مقصود یہ تھا کہ قمری مہینہ کبھی انتیس اور کبھی تیس دن کا ہوتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "صوموا لرؤيته وافطروا لرؤيته، فإن غمى عليكم فأكملوا عدة شعبان ثلاثين" (صحیح البخاری ح:۱۹۰۹) یعنی چاند دیکھ کر روزے رکھو اور چاند دیکھ کر روزے چھوڑو اور اگر مطلع ابر آلود ہو تو شعبان کے تیس دن پورے کرلو، اسی طرح آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے: "لا تصوموا حتى تروا الهلال، ولا تفطروا حتى تروه". (صحیح بخاری ح:۱۹۰۶، صحیح مسلم ح:۱۰۸۰) یعنی جب تک چاند نہ دیکھ لو روزے نہ رکھو اور جب تک چاند نہ دیکھ لو روزے نہ چھوڑو۔

اس باب میں اور بھی بہت سی احادیث ہیں جو سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ رویت کے مطابق عمل واجب ہے اور عدم رویت کی صورت میں واجب ہے کہ مہینہ کے تیس دن مکمل کرلئے جائیں، یا اگر دو عادل مسلمان چاند ہونے کی شہادت دیں تو ان کی شہادت قبول کی جائے گی۔ معلوم ہوا کہ چاند کے لیے اعتماد رؤیت پر کرنا چاہئے، کسی کیلنڈر یا فلکیاتی حساب وغیرہ پر نہیں، اور اسی طرح کی بات شیخ الاسلام ابن تیمیہ ؒ نے اپنے فتاوی کے اندر فرمایا کہ: ''اس بات پر تمام اہل علم کا اجماع ہے کہ اثبات ہلال کے لیے حساب پر اعتماد کرنا جائز نہیں ہے اور بے شک اس مسئلہ میں یہی حق بات ہے۔

ھذا ما عندی واللہ أعلم بالصواب

ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی

استاذ جامعہ سلفیہ بنارس

☆☆☆